itsurdu.blogspot.com

upload by salimsalkhan

لوگو!
تم انتقامی جذبوں کو لہو کا کفن
اور پھول کے رشتوں کو خزاں کا کفن پہنا چکے ہو
اب آؤ
اور اس کلی کو ہوس کا کفن پہنا دو
تمہاری تہذیب مکمل ہو جائے گی۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کبھی کبھی میری ٹیکسی دلہن کی طرح سنورتی ہے اور اس دلہن کی آغوش میں دولہا سہرا باندھ کر بیٹھ جاتا ہے۔ آگے آگے بینڈ باجے والے فلمی دھنیں سناتے جاتے ہیں اور آگے پیچھے باراتی اور دولہا کے رشتے دار پانچ پیسے اور دس پیسے لٹاتے جاتے ہیں ایسے وقت یوں لگتا ہے جیسے میں اپنی پچیس برس کی کنواری شمشاد کے لئے اس دنیا کے بھرے بازار سے ایک دولہا خریدنے جا رہا ہوں۔

بارات ہمارے محلے شریف آباد سے چلی تھی اور ہمیں ساڑھے گیارہ نمبر پر پہنچ کر رکنا تھی، جہاں مصیبت کے مارے لوگ بنگلہ دیش سے آکر پناہ لئے ہوئے تھے۔ بارات کے دولہا کا نام شریف احمد ہے۔ شریف احمد واقعی اسم بامسمیٰ ہے ہمارے محلے میں اس نے شرافت کی مثال قائم کی ہے۔ وہ کبھی نظریں اٹھا کر جوان لڑکیوں کو نہیں دیکھتا۔ میرے کچے مکان کے ٹھیک سامنے اس کا پکا مکان ہے۔ خود میری بہن شمشاد نے اس کی تعریف کی ہے کہ شریف احمد ہمیشہ اس کے سامنے سر جھکا کر گذر جاتا ہے۔

میں سچ کہتا ہوں کہ اس کی حد سے زیادہ شرافت مجھے بری لگتی ہے میں چاہتا تھا کہ وہ دوسروں کی نظریں بچا کر میری بہن کو دیکھے۔ مجھ سے چھپ کر میری بہن کی محبت میں گرفتار ہو جائے آپ مجھے بے غیرت کہیں گے اور زیادہ کہیں گے تو مجھے بہن کا دلال کہہ کر پکاریں گے مگر ایسا کہنے سے پہلے آپ کو میری غریبی اور میرے کچے مکان کو دیکھنا ہوگا۔ میری بہن کی بڑھتی ہوئی عمر کا حساب کرنا ہوگا۔ ان حالات میں لڑکی والے یہی چاہتے ہیں کہ کوئی دولہا ان کی لڑکی کی خوبصورتی اور خوب سیرتی دیکھ کر پھنس جائے۔ اگر پھانسنے کے اس عمل کا نام دلالی ہے تو ہم سب اس سوسائٹی کے مہذب دلال ہیں۔

شریف احمد کا باپ نعیم احمد بھی بہت زیادہ شریف اور غریب پرور ہے وہ اپنے بیٹے کے لئے کسی غریب لڑکی کو بہو بنا کر لانا چاہتا تھا اور اکثر میری شمشاد کی تعریفیں کیا کرتا تھا۔ میں اس دھوکے میں رہا کہ وہ کسی دن میری بہن کا رشتہ مانگنے آئے گا مگر انہی دنوں بنگلہ دیش سے

مہاجرین کے قافلے آنے لگے ان کی مصیبتوں میں کام آنے کیلئے صاحب حیثیت لوگ روپے پیسے کی امداد کے علاوہ دُکھے بڑے خاندان کے افراد کو کہیں کام دھندے سے لگانے لگے اور کہیں ان کا گھر بسانے لگے۔ نعیم احمد بھی ایک مہاجر لڑکی کو اپنی بہو بنانے کیلئے بارات لے کر ان کی بستی میں پہنچ گئے۔

ہم سب کو مہاجروں سے ہمدردی ہے لہٰذا میں نعیم احمد سے یہ نہ پوچھ سکا کہ بندہ پرور آپ میری بہن کی تعریفیں کیا کرتے تھے پھر ایک خانماں برباد لڑکی کی خانہ آبادی کیوں کر رہے ہیں؟ ایسا پوچھتے وقت میں خود غرض کہلاتا اس لئے چپ چاپ شریف احمد کو دولہا بنا کر اپنی ٹیکسی میں بٹھا کر اس لڑکی کے دروازے پہ لے آیا جو میری بہن کی جگہ دلہن بنی بیٹھی ہوئی تھی۔

ہم ٹیکسی والے یوں تو اپنی مرضی کی سواری بٹھاتے ہیں لیکن پولیس والوں کے سامنے اور اپنے محلے والوں کے سامنے اپنی من مانی نہیں کرتے کیونکہ محلے میں ہمیں رہنا ہوتا ہے اور حالات میں ہم رہنا نہیں چاہتے۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں شریف احمد کی بارات کے ساتھ جانے سے انکار کر دیتا لیکن میں ٹیکسی ڈرائیور بھی تھا اور محلے کا باراتی بھی۔ اس لئے مجھے نکاح میں بھی شریک ہونا پڑا۔ مزید ستم یہ کہ نکاح پڑھانے والے قاضی صاحب نے مجھے قاضی بنا کر دو وکیلوں کے ساتھ لڑکی کے پاس ایجاب و قبول کا گواہ بنا کے بھیج دیا۔

مجھے یہ اعزاز اس لئے حاصل ہوا کہ میں میٹرک پاس ٹیکسی ڈرائیور ہوں۔ انگریزی اچھی طرح سمجھ لیتا ہوں اور اردو فصاحت و بلاغت سے بولتا ہوں۔ محلے والوں پر میرا اور میری بہن کا رعب طاری رہتا ہے کیونکہ وہ بھی اُن دنوں فرسٹ ائیر میں پڑھ رہی تھی۔

جب میں نکاح قبول کرانے عورتوں میں گیا تو وہ سانولی سلونی بنگال کی دوشیزہ گھونگھٹ کاڑھے بیٹھی تھی۔ بنگال کے حسن کا سلونا پن مشہور ہے میں اس کا چہرہ تو نہ دیکھ سکا مگر حنائی ہاتھوں کی نزاکت اور ملائمت بتا رہی تھی کہ وہ بڑا رنگین حسن ہے میں ابھی تک کنوارا ہوں مگر ٹیکسی کے ایک ایک پرزے کی طرح عورت کے کل پرزوں کو سمجھتا ہوں میری داستانِ حیات بتائے گی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ایک تجربہ کار ٹیکسی ڈرائیور بننے کے لیے عورت کو سمجھنا کتنا ضروری ہے۔

جب تک میں اپنی بہن کو دلہن بنا کر رخصت نہ کرتا، اس وقت تک اپنے لئے دلہن نہیں لا سکتا تھا۔ البتہ ایک رات کی دلہنوں کے ساتھ نہایت شرافت سے زندگی گزار رہا تھا۔

اس وقت بھی اس سانولی سلونی لڑکی کو دلہن بنتے دیکھ کر ٹیکسی کے میٹر کی طرح میرے دل کا پہیہ بڑی تیزی سے چل رہا تھا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کس طرح اس سے نکاح قبول کرایا تھا۔ نکاح پڑھانے کے دوران صرف اتنا یاد ہے کہ اس دلہن کا نام زیب النساء عرف بیلا رانی تھا۔ مجھے صرف بیلا رانی یاد رہ گئی۔

رخصتی کے وقت جب بیلا رانی کو سہیلے کی لڑیوں میں چھپا کر ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا گیا تو میں نے عقب نما آئینے کا رخ اس کی طرف پھیر دیا تاکہ تمام راستے اس کے سہاگ کے نگین لمحے مجھے نظر آتے رہیں۔ اگر اس وقت شریف احمد میری بہن کو دلہن بنا کر لے جا رہا ہوتا تو میں آئینے کا پوزیشن نہ بدلتا۔ وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ وقت انسان کو کبھی غیرت مند بنا دیتا ہے اور کبھی بے غیرت۔ ویسے میں بھی کیا تجربہ کار تھا، ہر عورت کو اپنی بہن تو نہیں بنا سکتا؟

میں نے بیلا رانی کو اس کے سہاگ کی پہلی منزل تک پہنچا دیا۔ شریف احمد اور اس کی ماں دلہن کو سہارا دے کر اپنے گھر میں لے گئے۔ اس گھر کے سامنے میرا گھر تھا۔ شاید کھڑکی سے لگی ایک لڑکی کو دلہن بن کر اپنی منزل تک پہنچتے دیکھ رہی تھی۔ میں سمجھتا تھا کہ اس وقت اس کی نگاہوں میں کتنی حسرتیں ہوں گی اور دل میں کتنے طوفان اٹھ رہے ہوں گے۔ ایسے وقت میں اپنی بہن کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے ٹیکسی اسٹارٹ کر کے دور چلا گیا۔

زندگی جب بہت زیادہ ٹھوکریں مارتی ہے تو شراب بھی پانی ہو جاتی ہے۔ حالانکہ میں نہیں پیتا۔ پیتا بھی ہوں تو بہن کا اداس چہرہ نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔ غم غلط نہیں ہوتا۔ بھیجا ہو کر دماغ میں اسکے جھولتا ہے۔ اس کی عمر و حیاء کہتی ہے۔

"وہ میرے ٹیکسی ڈرائیور بھائی! تو ہر مسافر کو اس کی منزل تک پہنچا دیتا ہے پھر بہن کو

راستے میں کیوں چھوڑ دیا ہے؟ کتنے ہی مسافروں کو تو میٹر تیز کرکے پہنچا آیا ہے۔ کبھی ایمانداری سے، زیادہ تر بے ایمانی سے ہی کہیں پہنچا دے۔ کسی کی دلہن بنا دے۔ اس دنیا میں سب کچھ ہوتا ہے تجھ سے کچھ نہیں ہوتا......"

میں بہت کچھ کر سکتا ہوں۔ پہلے میں ایماندار تھا۔ میٹر کے مطابق پیسے لیا کرتا تھا۔ یہ سمجھتا تھا کہ ایمانداری سے ٹیکسی چلا کر ہی منظم ہو جاؤں گا۔ پھر میری سمجھ میں آیا کہ اس دنیا میں کسی کو نقصان پہنچائے بغیر دوسرا فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ دو وقت کی روٹی کمانے کیلئے کسی نہ کسی کی جیب سے پیسہ نکالنا پڑتا ہے۔ اگر میں کسی سواری سے کہوں کہ میٹر سے چلنے میں میرا نقصان ہے۔ ایک روپیہ زیادہ دو۔ وہ سیدھی طرح کبھی نہیں دے گا۔ اسے میرے نقصان کی پروا نہیں ہوگی کیونکہ لوگ صرف اپنے فائدے پر نظر رکھتے ہیں پھر میں کیوں نہ اپنا فائدہ دیکھتا؟

اس لئے میں نے میٹر تیز کر دیا۔ ایمان کا میٹر بہت سست ہے کیونکہ ایمان کا حساب قیامت کے دن ہوگا۔ ابھی جس قیامت کا سامنا ہے اس سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے۔ کھانے، کپڑے، مکان کا کرایہ اور تعلیم کے اخراجات کے لئے ہر شخص بے ایمانی کا میٹر تیز چلا رہا ہے۔ یہ جتنی تیزی سے چلتا ہے اتنی ہی تیزی سے مہنگائی بھی بڑھتی جاتی ہے اور بہن کی کنواری آہیں بھی دل کو چھلنی کرتی جاتی ہیں۔ اس لیے میں مسافروں کو باتوں میں لگا کر راستہ خراب ہونے کا بہانہ کرکے لمبے راستے سے لے جاتا ہوں۔ وہ فریب کھا کر مجھے خوشی سے زیادہ پیسے دیتے ہیں اور مجھے اپنی نادانی سے سمجھاتے ہیں کہ دنیا فریب کھا کر ہی خوش رہتی ہے۔

اس طرح میں نے پانچ برس میں بہن کی شادی کے لئے نئے کپڑے، سونے کے زیورات اور جہیز کا تھوڑا سا سامان جوڑ لیا ہے۔ لیکن آج بے ایمانی کے باوجود یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنی بہن کے لئے کس طرح بے ایمانی سے ایک دولہا خرید کر لاؤں؟ اگر ایک دولہا کو پھانسنے کے سلسلے میں ذرا سی بھول چوک ہو گئی تو میں غیرت مند قاتل کہلاؤں گا۔

داروں کی آگ حلق سے اتارتے وقت میں ایسی بہت سی گہری باتیں سوچتا ہوں: جو

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

فلاح و بہبود کے اداروں اور سماج کے مصلحین کو سوچنا چاہئیے۔ پہلے میں نے ایک ادھا پیا
جب نشہ اپنی انتہا تک نہیں پہنچا تو میں نے ایک پوا اور حلق سے اتارا۔ پھر سر میں آگ سے بھری
اور میں گیت گاتا ہوا ٹیکسی میں آکر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دور تک ڈرائیو کرنے کے بعد ایک برقعہ پوش عورت نے ہاتھ اٹھا کر ٹیکسی روکنے
کا اشارہ کیا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ فٹ پاتھ کی ٹیکسی ہے اور گاہک کی تلاش میں نکلی ہے۔ ایسی برقعہ
پوش ٹیکسیاں میری آمدنی میں اضافہ کرتی ہیں اس لئے میں نے گاڑی روک دی اور فوراً میٹر کو آن
کر دیا تاکہ معاملہ طے ہونے تک میٹر تیزی سے بل بناتا رہا۔ اس نے نقاب الٹ کر گاڑی کے اندر
جھانکتے ہوئے دیکھا۔ پھر خوش ہو کر بولی۔

"ارے شیدے تو ہے؟"

ہاں میں شیدا ٹیکسی ڈرائیور ہوں۔ اس شہر کی تمام وہ عورتیں جو اپنی جوانی کا میٹر آن کرکے
سواری کی تلاش میں نکلتی ہیں۔ وہ مجھے پہچانتی ہیں، اور میں انہیں پہچانتا ہوں اور ہم سب کو پولیس
والے پہچانتے ہیں اور پولیس والوں کو حرام کی آمدنی پہچانتی ہے۔ اس طرح نہایت ایمانداری
سے ہم عورت کی کمائی کو انصاف سے بانٹ کر مہنگائی کا مقابلہ کرتے رہتے ہیں۔

جب اس نے نقاب الٹ دیا تو اس وقت نشے کے باعث میری کھوپڑی گھوم رہی تھی
میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھا پھر جھومتے ہوئے پوچھا۔

"کون زرینہ؟ اری آج رات کو نکلی ہے۔ اگر کسی ایماندار پولیس والے نے پکڑ لیا تو سیدھی
حوالات میں پہنچ جائے گی۔"

وہ ٹیکسی کا اگلا دروازہ کھول کر میرے پاس بیٹھتی ہوئی بولی۔

"جو پولیس والے ایماندار ہوتے ہیں ان کی معلومات بھی محدود ہوتی ہیں۔ وہ مجھے نہیں
پہچانتے کہ میں پیشہ کرتی ہوں۔ ایسوں کے سامنے تو مجھے اپنی گھر والی بتانا۔ میں تجھے کیا سمجھاؤں؟
تو نے تو کئی گھاٹ کا پانی پیا ہے۔ اس وقت کوئی بحث نہ کرنا۔ میں بہت پریشان ہوں۔ چل جلدی

آگے بڑھا دیتے ہیں کوئی نہ کوئی گاہک پھنس ہی جائے گا۔"

میں نے ٹیکسی کے میٹر کی طرف دیکھا۔ ابھی تک ایک روپیہ دس پیسے بنے تھے۔ میں تھوڑی
جلدی آگے بڑھنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

"اگر جلدی چلنا ہے تو پھر میں میٹر سے نہیں چلوں گا۔ یہاں سے پہیلی پاڑہ تک
جانے آنے کے بیس روپے لوں گا۔"

"شیدے! تو جلتا ہے۔ اب میں پہلے جیسی نہیں رہی۔ پہلے گاہک میرے پیچھے آتے تھے
اور مجھے منہ مانگی رقم دیتے تھے اب میں اندر سے کھوکھلی ہو گئی ہوں اور اوپر سے اجڑ گئی ہوں
اسی لئے دن کی روشنی میں نہیں نکلتی ہوں۔ رات کو برقعہ پہن لیتی ہوں تاکہ پچکے ہوئے گال اور
سوکھا ہوا جسم اچھی طرح نظر نہ آئے۔ پھر تو گھبرے جیسے اپنے چہرے پر رونق آجاتی ہے
اور کچھ گاہک عقل کے اندھے ہوتے ہیں رات کو تو شراب کے نشے میں رہتے ہیں ایسے وقت انہیں
گدھی بھی حور پری نظر آتی ہے اس طرح مجھے میرے حصے کا رزق ملتا رہتا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ میرے قریب کھسک آئی۔ پھر میرے گلے پڑ کر بولی۔

"رزق ملتا ہے پھر بھی ایک دو وقت کے فاقے ہوتے ہیں۔ رزق دینے والے مہربان اتنا تو
نہیں دیتے کہ میں اس میں سے پولیس والوں کو بھی دے سکوں اور ٹیکسی ڈرائیوروں کا بل ادا کر سکوں
اور مہنگائی کے بڑھتے ہوئے ہاتھوں کو کاٹ سکوں۔ آج میں تجھے بیس روپے نہیں دے سکوں گی
شیدے......"

وہ میرے بالکل قریب آگئی تھی۔ اس نے ٹھیک کہا تھا کہ نشے کی حالت میں سوکھا
ہوا گلاب بھی پُر شباب نظر آتا ہے وہ مجھے دنیا کی سب سے حسین عورت نظر آرہی تھی شراب پی
کر گندی نالیوں میں گرنے کی بجائے کسی سوکھی عورت کی پناہ میں گرنا بہتر ہوتا ہے میں نے اس
سے کہا۔

"میری ٹیکسی میں رہ جا۔ میں تجھے بیس روپے دوں گا۔"

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

وہ خوش ہو کر بولی "تیری بڑی مہربانی ہوگی۔ تو اچھا ہی آدمی ہے۔ مجھے جلدی چھوڑ
دے گا، دوسروں کی طرح پریشان نہیں کرے گا۔ مجھے جلدی واپس جانا ہے۔ میرا بچہ بہت بیمار ہے۔"
بچے کو یاد آتے ہی میرا موڈ خراب ہو گیا کیونکہ دس دس کے نوٹ پھینکتے وقت مرد فطرتاً
کنواری اور اچھی عورت کا تصور کرتا ہے میں نے بگڑ کر کہا۔

"تم سالی ٹیکسیاں بن کر بچے کیوں پیدا کرتی ہو، میری ٹیکسی نے تو کبھی بچہ نہیں دیا۔ ٹیکسی
کو صرف پیسے پیدا کرنے چاہئیں بچے نہیں۔ چل جا یہاں سے میں بیس پیسے بھی نہیں دوں گا۔"

اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ٹیکسی کی نیم تاریک دنیا میں چند لمحات کے لئے سب کچھ گم
ہو گیا صرف آنسوؤں کی جھلملاہٹ رہ گئی یہ جو شراب ہے نا یہ ہمیں بہت کمزور بنا دیتی ہے۔ پرائے
آنسوؤں کی تہہ میں اتر کر اپنے زخم کے حوالے سے بہت کچھ سمجھا دیتی ہے وہ بڑے کرب سے
کہہ رہی تھی۔

"دو دن ہو گئے، میری چھاتی سے دودھ نہیں اترتا بچے کو اوپری دودھ پلایا
تو وہ بیمار پڑ گیا۔ مجھے روٹی کے لئے پیسے نہیں چاہئیں نہ کپڑے خریدنے کے لئے میں یہاں
برقعہ اوڑھ کر نہیں نکلی ہوں اور نہ ہی اپنے جسم کو کھنڈر بنا کر شیش محل میں رہنے کا خواب لے کر
آئی ہوں۔ میں صرف بچے کی دوا کے لئے پیسے حاصل کرنے آئی ہوں۔"

میں نے اس کے آنسوؤں کو نظر انداز کرتے ہوئے پتھر بننے کی کوشش کی اور
سخت لہجے میں کہا۔

"تم سب عیاشی کے لئے نکلتی ہو۔ بھانت بھانت کے مردوں کے بغیر تم لوگوں کو
نیند نہیں آتی پھر دوسروں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے اپنی محرومیوں کے افسانے گھڑ
لیتی ہو اور اس افسانے کو کلائمکس پر پہنچانے کے لئے ایک نوزائیدہ دودھ پیتے بچے کو
پیش کرتی ہو، یہ سب محض ڈرامہ ہے اور کچھ نہیں......"

اچانک ہی وہ میرا گریبان پکڑ کر مجھے جھنجھوڑنے لگی اور جھنجھلا کر کہنے لگی۔

"یہ ڈرامہ نہیں ہے وہ بچہ دودھ کے لئے اور دوا کے لئے بلک رہا ہے۔ وہ بچہ کس
کا ہے؟ کسی حاجی کریم الدین کا ہے، کسی صنعتکار سیٹھ کا ہے یا کسی چیتی ریس والے کا ہے
یا تیرے جیسے ٹیکسی ڈرائیور کا ہے۔ بے غیرت بے مروت تمہاری سمجھ میں یہ کیوں نہیں آتا کہ
تم سب کے مشترکہ بچے کو دودھ پلانے کے لئے اپنے جسم کا کاروبار کر رہی ہوں۔ تم سب میرے
وجود سے بھاگتی ہوئی ٹریفک کی طرح گزر جاتے ہو اور اس بچے کو چھوڑ جاتے ہو کیا اس بچے کے
دودھ کی ایک بوتل خرید کر نہیں دے سکتے؟"

میں نے جلدی سے بیس پیسے نکال کر اسے دیے۔ ایک فاحشہ کی زبان پر [illegible]
کے لئے بیس پیسے کافی ہیں۔ جو حقیقت ناقابل برداشت ہوتی ہے اسے دولت کی تھیلی سے کاٹ کر
پھینک دیا جاتا ہے اس نے دس دس کے دو نوٹ لے کر اپنے سینے سے لگا کر کھینچ لئے اور
ٹیکسی کا دروازہ کھول کر اپنے بچے کی طرف جانے کے لئے نکلی، پھر ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی اور
پلٹ کر بولی۔

"اوہ میں تو بھول ہی گئی تھی کہ ابھی بیس پیسے کی قیمت چکانی ہے۔"

اس نے دوبارہ دروازے کی طرف ہاتھ بڑھایا، اس سے پہلے ہی میں نے کار کو
اسٹارٹ کی، گیئر بدلا پھر ایک جھٹکے سے ڈرائیو کرتا ہوا اس سے دور چلا گیا۔ عورت جب ماں
کے روپ میں آتی ہے تو سارا نشہ ہرن ہو جاتا ہے۔ میں بڑبڑاتا ہوا اور لڑکھڑاتا ہوا اپنے
گھر کے دروازے پر آکر رک گیا۔

جب میں دروازہ کھول کر مکان میں داخل ہوا تو اس وقت رات کے دو بجے تھے۔
شمشاد آنگن میں چارپائی بچھائے اس پر چاروں شانے چت لیٹی ہوئی شریف احمد کے مکان کو
دیکھے جا رہی تھی۔ ہمارے آنگن سے شریف احمد کے مکان کی اوپری منزل کا ایک کمرہ اور بالکونی
نظر آتی ہے اور اس کی بالکونی سے ہمارا پورا آنگن نظر آتا ہے جب چاندنی راتوں میں شمشاد
چارپائی بچھا کر لیٹ جاتی تھی تو میں سوچا کرتا تھا کہ شریف احمد اپنی بالکونی سے اسے دیکھ رہا ہوگا

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

پہلے پہل مجھے یہ بات ناگوار گذری تھی پھر حالات نے مجھے سمجھا دیا کہ پرائے ہاتھوں میں جانے والی ہر چیز کو شوکیس میں رکھ کر اس کی اہمیت بڑھائی جاتی ہے اس حد تک اگر وہ میری بہن کو دیکھ لے اور میری بہن اُسے دیکھ لے اور دنیا والوں کو اس کی خبر نہ ہو تو یہ بے شرمی نہیں ہے۔

بہرحال وہ وقت گذر چکا تھا۔ شریف احمد بیلا رانی کو بیاہ کر لے آیا تھا اب شہزاد کے دیکھ رہی تھی؟ اور ایسے دیکھ رہی تھی جیسے سکتے میں آگئی ہو۔ اسے بھائی کی موجودگی کا احساس بھی نہیں تھا۔ ہر بات اپنے وقت پر سمجھ میں آتی ہے اس وقت میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اب وہ شریف احمد کو نہیں دیکھ رہی ہے بلکہ دماغ کی اسکرین پر بیلا رانی کو سہاگ کے مرحلوں سے گذرتے دیکھ رہی ہے

میں چپ چاپ سر جھکا کر اپنے کمرے میں آگیا۔ دوسری صبح شریف احمد کے باپ نعیم احمد نے مجھے بلایا۔ دستور کے مطابق بیلا رانی کو اس کے میکے بھیجا جا رہا تھا۔ صبح سویرے اپنی روزی کون برباد کرتا ہے۔ میں ٹیکسی لے کر نکلتا تو اس وقت اچھے پیسے دینے والی سواریاں مل جاتیں۔ محلے والوں سے پیسے کم ملتے ہیں۔ پھر بھی میں نے بیلا رانی کے لئے اس کے میکے جانا منظور کر لیا۔

جب وہ میری ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر آ کر بیٹھی تو پچھلی رات کی طرح گھونگھٹ میں نہیں تھی میں نے عقب نما آئینے کا رُخ اس کی طرف پھیر دیا۔ ہائے میں بیان نہیں کر سکتا کہ اس سانولی لڑکی کا چہرہ کتنا دلکش تھا۔ آئینے سے گذر کر سیدھا دل میں آ رہا تھا۔ میں چند لمحوں تک دم بخود ہو کر اسے دیکھتا رہ گیا۔ دستور کے مطابق شریف احمد کو بھی اس کے ساتھ جانا چاہیئے تھا۔ لیکن صرف اس کی ماں اس کے ساتھ جا رہی تھی۔ راستے میں، میں نے محسوس کیا کہ شریف احمد کی ماں بہت خاموش ہے اور بہت اداس ہے اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ بہو کتنی ہی خوبصورت کیوں نہ ہو ساس پہلے ہی دن سے اسے ناپسند کرتی ہے اور کبھی خوشی کا اظہار نہیں کرتی۔ بیلا رانی کے میکے پہنچ کر شریف احمد کی ماں نے مجھے انتظار کرنے کیلئے کہا اور بہو کو لے کر مکان کے اندر چلی گئی۔

میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد مکان کے اندر سے لڑنے جھگڑنے کی آوازیں آنے لگیں۔ میں نے کان لگا کر سننے کی کوشش کی لیکن بات سمجھ میں نہیں آئی

کس نے جھگڑا ہو رہا ہے؟ ایک گھنٹے کے بعد شریف احمد کی ماں تنہا واپس آ کر ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔ میں نے ٹیکسی اسٹارٹ کی اور اپنے محلے کی طرف روانہ ہو گیا۔ میں نے عقب نما آئینے میں دیکھا وہ اپنے دوپٹے کے آنچل سے آنسو پونچھ رہی تھی اور سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ وہ مجھے برسوں کی بیمار نظر آئی۔ میں نے پوچھا۔

"ماں جی! کیا بات ہے کیا پہلے ہی دن بہو سے جھگڑا ہو گیا ہے؟"

میرے سوال پر وہ چونک پڑی۔ شاید اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ ٹیکسی میں تنہا نہیں ہے میں اسے دیکھ رہا ہوں کوئی اپنے گھر کے راز کسی غیر کو نہیں بتاتا۔ وہ میرے سوال کو ٹال گئی لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ ادھیڑ عمر کی خاتون ہر لمحہ مرتی جا رہی ہے۔

*

کبھی کبھی میری ٹیکسی جنازہ بن جاتی ہے۔ کیماڑی میں ایک کشتی ڈوب گئی تھی کتنے ہی ڈوب کر مر گئے تھے اور کتنے ہی ایسے تھے جنہیں جاں کنی کی حالت میں ایمبولنس کے ذریعے ہسپتال لایا جا رہا تھا۔ شریف احمد کی ماں پچھلے کئی دنوں تک ہسپتال میں پڑے رہنے کے بعد مر گئی تھی اس کی لاش گھر لانے کے لئے ایمبولنس نہیں مل رہی تھی کیونکہ ہسپتال کی تمام ایمبولنس کیماڑی کی طرف گئی ہوئی تھیں میں محلے کا ٹیکسی ڈرائیور ہوں اس لئے اس کی لاش میری ٹیکسی میں لائی گئی ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر ایک ہفتہ پہلے اس کی بہو کو دلہن بنا کر لے گیا تھا اب اسی ٹیکسی کو جنازہ بنا کر لے جا رہا تھا۔

محلے والے شریف احمد سے اور اس کے باپ نعیم احمد سے افسوس اور ہمدردی کا اظہار کر رہے تھے۔ ان پر ایک ساتھ کتنے ہی غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ بیلا رانی سہاگ کی دوسری صبح اپنے میکے گئی تھی پھر پلٹ کر اپنے شوہر کے پاس نہیں آئی تھی۔ بہو نے پہلے ہی گھر کو ویران کر دیا تھا۔ اب ماں کی موت نے جیتے جی گھر کو اور بھی اجاڑ کر رکھ دیا تھا۔ نعیم احمد رو رو کر محلے والوں کو بتا رہا تھا کہ بہو کتنی منہ چڑھی تھی۔ اس کی بیوی بڑے ارمانوں سے اسے بیاہ کر

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کاری تھی۔ وہ پہلی ہی رات شریف احمد سے کہہ رہی تھی کہ وہ ماں باپ سے الگ ہو جائے۔

کسی نے کہا: "یہ ان مہاجروں نے پہلے مشرقی پاکستان کو الگ کیا اب یہ لڑکی یہاں آکر بیٹے کو والدین سے الگ کر رہی تھی۔ ان لوگوں سے ہمدردی کرنا فضول ہے۔"

نعیم احمد نے کہا: "یہ ہم تو نیکی کرتے ہیں اور دریا میں ڈال دیتے ہیں۔ میں نے تو چاہا تھا کہ ایک خانماں برباد لڑکی یہاں آکر سکھ چین کی زندگی گزارے گی مگر واقعی یہ مہاجر اپنی فطرت سے مجبور ہیں۔ اپنی الگ حیثیت بنانے کے لئے زیادہ مصر رہتے ہیں نہ اُدھر کے سہارا لیا ہے ایک دن وہ بری طرح پچھتائے گی۔"

میں ان کی باتیں سن رہا تھا۔ پتہ نہیں کیوں نعیم احمد کو روتے دیکھ کر مجھے خوشی ہو رہی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس نے میری بہن کی خوشیوں کو برباد کیا تھا اور خود بری طرح برباد ہو گیا تھا۔ ظلم کرنے والے کو آنکھوں کے سامنے سزا مل جائے تو مظلوم کے دل کو بڑا سکون حاصل ہوتا ہے۔

اس واقعہ کو کچھ ماہ گزر گئے۔ شریف احمد نے بیلا رانی کو طلاق دے کر اس کے مہر کی رقم پانچ سو روپے ادا کر دی۔ میرے لئے پھر امید بندھ گئی۔ راستہ صاف ہو چکا تھا۔ اب اس گھر سے کسی دن بھی میری بہن کا رشتہ آسکتا تھا۔ شمشاد معمول کے مطابق روزانہ کالج جایا کرتی تھی اور میں نے معمول سے زیادہ بے ایمانی شروع کر دی تھی تاکہ زیادہ سے زیادہ آمدنی ہو سکے اور بہن کا رشتہ آئے تو محدود آمدنی رکاوٹ نہ بنے۔

ایک صبح وہ کالج نہیں گئی۔ میں کمرے سے نکل کر آنگن میں آیا تو وہ آنگن میں ملکے کے پاس بیٹھی قے کر رہی تھی۔ میں نے پوچھا۔

"کیا بات ہے شمشاد تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟"

میری آواز سنتے ہی اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ ایک دم سے گھبرا گئی تھی۔ اس کا چہرہ ایسا زرد پڑ گیا تھا جیسے برسوں کی بیمار ہو۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر میرا دل گھبرانے لگا۔ میں

اس کے قریب آیا تو وہ اپنی مٹھی میں پکڑی ہوئی کسی چیز کو پشت کی طرف لے جا کر چھپانے لگی۔

"وہ کیا ہے تمہارے ہاتھ میں؟"

میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس نے ہاتھ چھڑانے کی ناکام سی کوشش کی لیکن میں نے جبراً اس کی مٹھی کھول دی۔ مٹھی کھلتے ہی آم کے اچار کا ایک ٹکڑا زمین پر گر پڑا۔

میں ایک دم سے سناٹے میں آگیا۔ اب میں ایسا نادان بھی نہیں تھا کہ بات کی تہہ تک نہ پہنچ سکتا۔ میں نے ایک زوردار طمانچہ رسید کرتے ہوئے پوچھا۔

"بول یہ سب کیسے ہے؟ بے حیا بے غیرت، کیا میں اس لئے تجھے کالج پڑھنے کے لئے بھیجتا ہوں؟"

اس کی خاموشی اور اس کے آنسوؤں نے میرے شبہ کی تصدیق کر دی۔ میں بے تحاشہ اسے مارنے پیٹنے لگا۔ ان حالات میں بھائی ہو یا باپ وہ بہت مجبور ہوتا ہے اونچی آواز میں گالیاں نہیں دے سکتا اور گالیاں دیکر بیٹی یا بہن کو خود اپنی زبان سے بدنام نہیں کر سکتا اس لئے میں خاموشی سے اسے مار رہا تھا کہ کسی کو خبر نہ ہو۔ وہ مار کھاتے کھاتے زمین پر گر پڑی تھی میں اسے گھسیٹتا ہوا کمرے میں لے آیا وہاں لاکر میں نے اس سے پوچھا۔

"بتا وہ کمینہ کون ہے؟ میں ابھی اس کے پیچھے تجھے بیاہ دوں گا۔ نہیں بتائے گی تو گلا گھونٹ کر ہمیشہ کے لئے تجھے ختم کر دوں گا۔"

اس نے روتے روتے بتایا کہ وہ کالج کا ایک پروفیسر تھا شاعری کا جو پڑھاتے پڑھاتے اسے خوابوں کی دنیا سے گزار کر اپنی خوابگاہ میں لے گیا مگر اب وہ اس شہر میں نہیں ہے ملازمت چھوڑ کر کہیں چلا گیا ہے۔

میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ میں جو [illegible] ہوں اور سڑک پر چلنے والی ہر عورت کا چہرہ پڑھ لیتا ہوں۔ اپنی بہن کے پچیس برس کے چہرے کو نہیں پڑھ سکا تھا۔ میں بھول گیا تھا کہ میرے آنگن کے درخت میں جو پھل پک رہا ہے وہ پکتے پکتے کبھی دیوار کے باہر گر پڑے گا

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

میں گہری سوچ میں ڈوبا اپنی بدنامی کے خیال سے کانپ رہا تھا اور ہر شریف آدمی کی طرح اپنی بیٹی کے دامن پر لگنے ہوئے دھبّے کو مٹانے کی ترکیب سوچ رہا تھا۔ اتنے میں دروازے پر دستک سنائی دی۔ میں یوں چونک پڑا جیسے بدنامی دستک دے رہی ہو۔ جب عزت خطرے میں پڑی ہو تو ہر دستک اور ہر آہٹ پر دل کانپتا ہے میں نے دانت پیستے ہوئے شمشاد سے کہا۔

"خبردار! اس کمرے سے باہر نہ نکلنا میں ابھی آتا ہوں۔" میں اسے غصّے سے دیکھتا ہوا ایک کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں آیا اور باہر کے دروازے کو کھول دیا۔ دروازے پر نعیم احمد کھڑے ہوئے تھے۔ وہ ادھیڑ عمر کے قد آور ایک صحت مند آدمی تھے اجلی پیشانی کا ایک داغ بتا رہا تھا کہ وہ پانچوں وقت کے نمازی ہیں اس وقت میں کسی نمازی یا فرشتے سے ملنا نہیں چاہتا تھا لیکن انہوں نے بڑی شفقت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بیٹے میں تمہاری مشکل آسان کرنے آیا ہوں۔"

ان کی بات سن کر مجھے یاد آیا کہ میں شمشاد کو ان کی بہو بنانا چاہتا تھا اس وقت وہ واقعی فرشتہ بن کر آئے تھے میں نے فوراً ہی انہیں کمرے میں لا کر بٹھایا۔ انہوں نے بیٹھتے ہوئے بڑی نرمی سے پوچھا۔

"کیا جوان لڑکیوں کو مارنے پیٹنے سے مسائل حل ہو جاتے ہیں؟"

میں چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔ میں نے تو بڑی خاموشی سے شمشاد کی پٹائی کی تھی میری آواز میرے مکان کے دروازے تک بھی نہیں پہنچی تھی، پھر انہیں کیسے پتہ چل گیا کہ میں شمشاد کو مار رہا تھا۔

انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"بیٹے! میرا مکان بہت اونچا ہے اور بالکونی سے تمہارا آنگن نظر آتا ہے۔ میں نے شمشاد کو سسکتے ہوئے دیکھا تو پہلے یہی سمجھا کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے لیکن تم

غصّے کی حالت میں اسے مارنے لگے تو ساری بات میری سمجھ میں آ گئی۔"

ان کی باتیں سن کر میرا دل بیٹھنے لگا۔ انہوں نے مجھے گھبراتے دیکھ کر کہا۔

"میں ایک شریف آدمی ہوں۔ تمہارا یہ راز ہمیشہ میرے سینے میں دفن رہے گا۔ بلکہ میں تمہاری بدنامی پر پردہ ڈالنے آیا ہوں۔ میں تمہاری شمشاد کو اپنی بہو بنانا چاہتا ہوں۔"

مارے حیرت کے میری آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا اس دنیا میں ایسے فرشتے بھی موجود ہیں جو پرائے گناہ کا بوجھ اٹھا کر اپنے گھر لے جاتے ہیں۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا میری آنکھوں میں بے یقینی دیکھ کر انہوں نے کہا۔

"میں تمہارا بزرگ ہوں۔ میں تم سے مذاق کرنے یا جھوٹ بولنے نہیں آیا۔ سارا محلہ جانتا ہے جو بات میری زبان سے نکل جاتی ہے وہ پتھر کی لکیر بن جاتی ہے۔ آج شام کو میں چند شریف آدمیوں کے ساتھ قاضی صاحب کو لے کر آؤں گا اور شریف احمد کا نکاح شمشاد سے پڑھوا کر اور اسے اپنے گھر کی عزت بنا کر یہاں سے لے جاؤں گا۔"

میں فرطِ عقیدت سے تڑپ کر اپنی جگہ سے اٹھا اور ان کے قدموں سے لپٹ کر رونے لگا مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں زندگی میں کبھی نہیں رویا اس وقت جب انہوں نے مجھے اپنے سینے سے لگانے ہاتھ اٹھایا تو پتہ چلا کہ میری آنکھوں سے آنسو نہیں بہہ رہے ہیں میں صرف خوشی سے رونے کے انداز میں گڑگڑا رہا ہوں۔ میں بہت سنگدل ہوں انسان کا کوئی جذبہ یا کوئی مصیبت مجھے کبھی نہیں رُلا سکتی۔

پھر وہ آدمی کیسے رو سکتا ہے جس پر مصیبت آتے ہی اس مصیبت کا خوبصورت حل پیش کر دیا جاتا ہے میری وہ مصیبت بھی بڑی آسانی سے ٹل گئی۔ شمشاد دنیا والوں کی نظروں میں عزت آبرو سے دلہن بن کر اسی رات شریف احمد کے پاس چلی گئی۔ میں نے جو زیورات، کپڑے اور جتنی نقدی بے ایمانی سے جمع کی تھی، وہ بے ایمانی سے جانے والی دلہن کے جہیز میں دے دی۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اس کے بعد میں آزاد ہو گیا اب اس بات کی فکر نہیں تھی کہ کسی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے مجھے دن رات ٹیکسی چلانا ہے میں اپنی مرضی کے مطابق شہنشاہ بن کر ٹیکسی میں بیٹھتا تھا۔ دل چاہا تو اپنی پسند کی سواری اٹھا لیا ورنہ کسی ٹیکسی اڈے پر بیٹھ کر چرس کے سگریٹ پیتا رہتا۔

شادی کے ایک ماہ بعد شمشاد کا حمل ضائع ہو گیا مگر وہ خوش تھی۔ اس کا شوہر اور اس کا سسر نعیم احمد بھی بہت خوش تھے اور شمشاد کی بڑی عزت کرتے تھے ایک سال بعد پھر شمشاد کے پاؤں بھاری ہوئے، کچھ عرصے بعد اس نے ماں بن کر مجھے ماموجان بنا دیا۔

*

کبھی کبھی میری ٹیکسی سماج کی کچرا گاڑی بن جاتی ہے اور اس شہر کی جتنی غلیظ خواہشات ہوتی ہیں انہیں ایک جگہ سے سمیٹ کر دوسری جگہ لے جاتی ہے تقریباً دو سال کے بعد میں نے زیب النساء اسٹریٹ پر بیلا رانی کو دیکھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر ٹیکسی روکنے کا اشارہ کیا۔ میں نے اسے دیکھا تو پہلی نظر میں پہچان نہ سکا۔ گرمیوں کی مہکی مہکی سی شام تھی وہ ہلکے آسمانی رنگ کی ساڑی میں آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا رہی تھی۔ اس کے ساڑی باندھنے کا انداز اتنا خوبصورت تھا کہ بدن کے نشیب و فراز بغاوت کے انداز میں ابھر آئے تھے اس کے جوڑے میں پھولوں کی وینی مہک رہی تھی اور سانولی پیشانی پر سنہری بندیا جگمگا رہی تھی اس کے ساتھ ایک خوبرو نوجوان کھڑا ہوا تھا۔ ٹیکسی رکتے ہی وہ دونوں پچھلی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئے۔ میں نے فوراً اپنا عقب نما آئینے کا رُخ اس کی طرف پھیر دیا۔ وہ آئینے پر ایک نظر ڈال کر مسکراتی ہوئی اپنے ساتھی سے بولی۔

"کہاں چلنا ہے؟"

اس کے ساتھی نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"سوسائٹی۔ طارق روڈ۔"

میں نے ٹیکسی آگے بڑھا دی۔ جب ٹیکسی کچھ دور نکل گئی تو پیچھے سے نوٹوں کی کھڑکھڑاتی آواز سنی۔ ہم ٹیکسی ڈرائیوروں کی چار آنکھیں ہوتی ہیں۔ دو آنکھیں سامنے والے کی طرف دیکھتی ہے اور باقی آئینے کی دو آنکھیں پیچھے کے مناظر دکھاتی ہیں۔ وہ سو سو کے تین نوٹ اس کی طرف بڑھا رہا تھا۔ بیلا رانی نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔

"نہیں۔ پورے پانچ سو......"

اس نے سو کا ایک نوٹ اور بڑھا دیا۔ وہ ہاتھ جھٹک کر بولی۔

"میں کوئی فٹ پاتھ کی ٹیکسی نہیں ہوں' مجھ سے اس طرح سودے بازی نہ کرو۔"

اس نے پانچ سو روپے پورے کر دیئے۔ بیلا رانی نے پانچوں نوٹوں کو تہہ کر کے پرس میں رکھ لیا۔ راستے میں اس نوجوان نے ٹیکسی رکوا کر وہسکی کی ایک بوتل خریدی پھر طارق روڈ کی ایک عمارت کے پاس پہنچ کر وہ دونوں اتر گئے۔

میری ٹیکسی خالی ہو گئی۔ مجھے یوں لگا جیسے سینہ دل سے خالی ہو گیا ہے وہ شروع ہی سے میرے دل میں دھڑک رہی تھی جب میں نے شریف احمد سے اس کا ہاتھ مانگا تھا۔ اس وقت سے اس کا خالی ہاتھ میرے دل پر رکھا ہوا تھا آج دوسری بار اس نمکین ہاتھ کو ایک دوسرا شخص پکڑ کر میرے سامنے سے لے گیا تھا۔ ٹیکسی خالی ہونے کے بعد بیلا مہکتی رہی۔

میں نے پلٹ کر پچھلی سیٹ کی طرف دیکھا جیسے وہ واپس آ گئی ہو۔ وہ نہیں تھی پچھلی سیٹ پر بیلا کے پھولوں کی بنی ہوئی وینی پڑی ہوئی تھی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھایا پھر دونوں ہاتھوں پر رکھ کر اسے سونگھنے لگا۔ عجیب سی خوشبو تھی۔ میرا خیال ہے بیلے کے ساتھ بیلا کے بدن کا پسینہ بھی مہک رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ وہ اور جنگلی خون

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ے سستے ہوٹل سے زیب النساء اسٹریٹ کے مہنگے ہوٹل تک کیسے پہنچ گئی؟ وہ کیسے
حالات تھے جنھوں نے اسے سمجھا دیا تھا کہ وہ بہت اونچی قیمت پر ہر رات پانچ سو روپے دین
مہر کے عوض بک سکتی ہے۔ یہ دین مہر پہلی بار شریف احمد نے مقرر کیا تھا۔ وہاں ایک رات رہ کر
وہ سمجھ گئی تھی کہ یہی اس کی قیمت ہے۔

یہ سوچتے ہوئے میرا دل دھڑکنے لگا کہ کیا میں اس کی قیمت چکا سکتا ہوں؟ وہ
میرے دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھی۔ جب وہ ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر آ گئی تھی تو اگلی سیٹ
پر بھی آ سکتی تھی لیکن میں اس کے لئے ایک ہفتے میں بھی پانچ سو روپے جمع نہیں کر سکتا تھا۔ ٹیکسی
کی قسطیں ادا کرنے میں اور آئے دن اس کی مرمت کرانے میں میری آمدنی کا تین چوتھائی خرچ
ہو جاتا تھا۔ باقی ہفتے میں سے کچھ ٹریفک پولیس والے لے جاتے تھے اور کچھ نشے کی ضرورتیں
لے جاتی تھیں۔ باقی پیٹ کی آگ بجھانے میں خرچ ہو جاتا تھا۔ اس وقت بیلا رانی
میرے لئے بہت مہنگی تھی ۔۔۔ بہت اونچی تھی۔ میں ہاتھ اٹھا کر اسے چھو نہیں سکتا تھا۔

جسے ہم چھو نہیں سکتے، اس کے لئے دل زیادہ مچلنے لگتا ہے۔ پہلے تو میں نے سوچا
کہ فی الحال صبر کرنا چاہئے۔ فٹ پاتھ پر جو عورتیں آتی ہیں، پہلے ان کا ریٹ بہت اونچا ہوتا
ہے پھر آہستہ آہستہ وہ سستی ہوتی جاتی ہیں اور ان کا بھاؤ گرنے لگتا ہے۔ دو چار سال تک
انتظار کرنے کے بعد وہ مجھے پچاس روپے میں مل سکتی تھی۔ اس وقت واقعی میں نے صبر کر لیا
لیکن غیر شعوری طور پر وہ میرے دماغ میں کلبلاتی رہی۔ جب ٹریفک کے ہنگاموں سے
دور رات کی تنہائی اور خاموشی میں، میں نے سونے کی کوشش کی تو اس کا حنائی ہاتھ میری
نگاہوں کے سامنے چلا آیا۔ میں نے اس خیالی ہاتھ کو تھام کر پوچھا۔

"بیلا بی بی زیب النساء عرف بیلا رانی، تمہیں شیدے ٹیکسی ڈرائیور کے نکاح میں
بعوض پانچ سو روپے دین مہر فی شب کے حساب سے دیا جا رہا ہے، کیا تمہیں یہ غیر شرعی
نکاح قبول ہے؟"

اس کی سریلی آواز سنائی دی "وہ قبول ہے۔ قبول ہے۔ قبول ہے۔"

پھر وہ دلہن بنی میرے پہلو میں آ گئی۔ میں اپنی یادداشت کے سہارے اس کے
چہرے کے نقوش کو دیکھنے اور چھونے لگا۔ جیسے جیسے وقت گزرتا میرا سر گھومتا جاتا۔ در و
دیوار گھوم رہے تھے جیسے کہ پھولوں کے ساتھ اس بنگالی دوشیزہ کے بدن سے جو پسینہ ٹپک
رہا تھا اس میں مچھلیوں کی سی باس تھی۔ مجھے ابکائی آنے لگی۔ میرے چونک کر اٹھتے ہی سارے
خواب چکنا چور ہو گئے۔ دراصل میں نے بہت زیادہ پی لی تھی کہ بعد فراغت کی ایک پلیٹ مچھلی کھائی تھی
اس مچھلی کی مناسبت سے بنگالی دوشیزہ یاد آ رہی تھی۔

بس اسی طرح وہ کسی نہ کسی بہانے یاد آتی رہی۔ دراصل عورت خود کو دور رکھ کر
اپنی اہمیت بہت زیادہ بڑھا دیتی ہے۔ اس کے متعلق نہ سوچنے کے باوجود محرومی کا احساس
سوچنے پر مجبور کرتا رہتا ہے۔ ایسے وقت مجھے ایک دوسرے کی طرح سر چھپانا پڑتا تھا۔ اگلی
کھٹنے میں مگر وہ سر سے پاؤں تک میٹھی اور رس بھری تھی۔ میں اسے کسی بھی کھا کر دل کو جھوٹی
تسلیاں نہیں دے سکتا تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اب تھوڑے تھوڑے پیسے بچا کر پانچ
سو روپے جمع کر کے اسے اپنے گھر لے آؤں گا۔

اس دن سے میں نے پیسے بچانے شروع کر دیے لیکن جو لوگ محدود آمدنی میں پیسے
بچاتے ہیں، وہی میرے حالات کو سمجھ سکتے ہیں کہ بچائے ہوئے پیسے اکثر ناگہانی ضرورتوں
کی نذر ہو جاتے ہیں۔ چھ ماہ کے بعد جب میرے پاس ساڑھے تین سو روپے جمع ہو گئے تو میں اچانک
ہی بیمار پڑ گیا۔ دکھ بیماری کے آگے کوئی کاؤنٹر گارنٹی نہیں کر سکتا ہے۔ وہ تو کسی وقت بھی آ سکتی ہیں۔
میں پندرہ دن تک بیمار رہا۔ پندرہ دن تک ٹیکسی میرے دروازے پر کھڑی رہی۔ میرا پیٹ کے ساتھ
ہوتا ہے کہ آمدنی رک جاتی ہے مگر ضرورتیں نہیں رکتیں۔ ٹیکسی کا مہاجن آ کر ہفتہ واری قسط
لے گیا۔ کچھ دواؤں اور انجکشنوں میں پیسے نکل گئے۔ بیماری سے اٹھ کر نہانے کے گیا تو جانے
کی سالگرہ تھی۔ اسے کھلونوں کا تحفہ دے کر واپس آیا تو ٹیکسی کا گیئر بکس بیٹھ گیا تھا۔ جب اس کی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

مرمت کرانے کے بعد کمائی کیلئے نکلا تو اس وقت تک بچائے ہوئے ساڑھے تین سو روپے خرچ ہو چکے تھے اور میں دو سو روپیہ کا قرضدار بن چکا تھا۔ میں نے جھلا کر اپنی تقدیر کو پوری ایک درجن گالیاں دیں اور دل کو سمجھا لیا کہ اللہ میاں نے بیلا رانی کو میرے لیے پیدا نہیں کیا ہے لیکن سمجھانے سے کیا ہوتا ہے جب میں ٹیکسی کے اڈے پر آیا تو سب سے پہلی سواری ملی وہ بیلا رانی تھی۔

وہ دستور کے مطابق پچھلی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی اس بار میں نے آئینے کا رُخ نہیں بدلا۔ اس لیے کہ جو چیز حاصل نہ ہو، اس سے کترانے کی کوشش کرنا دانش مندی ہے۔

بیلا رانی نے اگلی سیٹ کی طرف جھکتے ہوئے آہستگی سے پوچھا۔

''آج تم نے آئینے کا رُخ نہیں بدلا؟''

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

''عورت بظاہر خاموش رہتی ہے مگر وہ اپنے آس پاس سے گزرنے والوں کی ایک ایک حرکت کو سمجھتی ہے جب میں شادی کی دوسری صبح اپنے میکے جا رہی تھی، اسی وقت میں نے تمہاری شرارت کو بھانپ لیا تھا تم آئینے میں مجھے بار بار دیکھ رہے تھے۔ اس روز بھی زیب النساء اسٹریٹ پر جب میں پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر آئی تو تم نے آئینے کا رخ میری طرف پھیر دیا۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟''

میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

''تم درست کہہ رہی ہو۔ جب پہلی بار تم دلہن بنی بیٹھی تھیں اور جب میں پہلی بار ایجاب و قبول کیلئے تمہارے پاس آیا تو اسی وقت سے تمہارے حنائی ہاتھوں نے میرے خیالات بہکا دیئے کہ تم ان ہاتھوں سے آگے بھی بہت دور تک حسین ہو۔ جب بات کھل ہی گئی ہے تو میں صاف طور سے کہہ دوں کہ میں تمہیں حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ پچھلے کئی ماہ سے میں نے پانچ سو روپے جمع کرنے کیلئے بڑی جدوجہد کی ہے میں ساڑھے تین سو روپے تک جمع کر چکا تھا

لیکن اچانک ہی بیماری نے مجھے توڑ دیا۔ اب میں دو سو روپے کا قرضدار بن گیا ہوں اس لیے اب میں تمہیں خیالوں کی دنیا میں حاصل کرتا ہوں اور جب خیال کا طلسم ٹوٹتا ہے تو میں بڑی ذہنی اذیتوں میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔ کیا تم مجھے ان اذیتوں سے کسی طرح نجات دلا سکتی ہو؟''

اس نے جواب دیا ''تم پہلے اپنا قرض ادا کرو پھر پانچ سو روپے جمع کرو۔ میں تمہیں بڑے شہر کے کسی بھی فٹ پاتھ پر مل جاؤں گی۔ ابھی مجھے پریس کلب جانا ہے گاڑی آگے بڑھاؤ۔''

میں نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ مجھے اس کی صاف گوئی پر بہت غصہ آ رہا تھا لیکن بزنس آخر بزنس ہے اگر کوئی غریب آدمی میری ٹیکسی رکوا کر یہ کہے کہ وہ بیمار ہے اس کے پاس پیسے نہیں ہیں اور میں اسے ہسپتال پہنچا دوں تو میں کبھی اسے لفٹ نہیں دوں گا کیونکہ ٹیکسی لفٹ دینے کے لئے نہیں، کاروبار کرنے کیلئے ہوتی ہے وہ بھی لفٹ دینے کیلئے نہیں کاروبار کے لئے نکلی تھی ایک کاروباری کی حیثیت سے مجھے اس کی بات کا برا نہیں ماننا چاہیے تھا مگر اس حقیقت سے کیسے انکار کیا جائے کہ مرد اپنی ناکامی نہیں برداشت کر سکتا۔

میں نے تہیہ کر لیا کہ بہت جلد پانچ سو روپے اس کے منہ پر ماروں گا اس کیلئے میں دن رات ٹیکسی چلانے لگا۔ وقت گزرتا گیا پیسے جمع ہوتے گئے اور ضرورتوں کے چور دروازوں سے نکلتے گئے ہم سے اور آپ سے اگر پوچھا جائے کہ اتنی آمدنی کہاں جاتی ہے تو ہم اخراجات کا صحیح حساب نہیں بتا سکیں گے کیونکہ بہت سی ضرورتیں چوری چھپے آتی ہیں اور نقب لگا کر چلی جاتی ہیں۔

سال کے بعد سال گزر گیا۔ وہ مجھ سے ملتی رہی اور بچھڑتی رہی۔ تین سال کے بعد میرے پاس تین سو روپے جمع ہو گئے مجھے یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ اس کا بھاؤ ایک دم سے گر کر دو سو روپے پر آ گیا تھا۔ میں وقتی طور پر یہ بھول گیا تھا کہ جسموں کی منڈی میں بھاؤ جب گرتا ہے تو کسی بھی حالت میں اوپر کی طرف نہیں جاتا۔

وہ پچھلی سیٹ پر آ کر بیٹھی تو میں نے اس کی طرف دیکھا وہ مرجھا گئی تھی۔ اس کے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

باوجود باسی پھولوں کی اڑی اڑی سی رنگت ابھی باقی تھی۔ اس پر میک اپ کا سلیقہ ایسا تھا کہ وہ کاغذی پھولوں کی طرح کھل گئی تھی اور کسی بدیسی سینٹ کی مہک نے اس میں اچھی خاصی کشش پیدا کر دی تھی۔ میں نے اسے دیکھتے ہی کہا کہ میرے پاس ایک سو روپے ہیں، حالانکہ جیب میں تین سو روپے تھے بھاؤ گر گیا ہے تو اور گرانا چاہیے۔ مجھے اس کا وہ غرور اب تک یاد تھا جب اس نے مجھے طنزیہ انداز میں پانچ سو روپے جمع کرنے کے لئے کہا تھا۔ وہ سر جھکا کر بولی۔

"مجھے دو سو روپے کی سخت ضرورت ہے میرا چالان ہو گیا ہے اگر صبح تک میں نے ڈیڑھ سو روپے تھانے میں نہیں پہنچائے تو وہ مجھے حوالات میں ڈال دیں گے۔"

"اچھا تو پھر ڈیڑھ سو لے لو۔"

"مجھے مزید پچاس کی سخت ضرورت ہے میری لڑکی دوسری جماعت میں ہے۔ اس کے لئے کتابیں خریدنی ہیں۔"

میں نے کہا "اچھی بات ہے رات کے بارہ بجے اسی جگہ آ کر ملنا، میں دو سو روپے لیکر آؤں گا اور تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا۔"

اس نے کہا "ابھی دس بجے ہیں۔ اس وقت بھی رات ہے یہ دو گھنٹے کا انتظار میرے لئے عذاب بن جائے گا۔"

میں نے جیب سے سو سو کے نوٹ نکال کر دکھاتے ہوئے کہا۔

"میں پلیسوں سے مجبور نہیں ہوں، محلے والوں سے مجبور ہوں۔ وہاں بارہ بجے کے بعد سناٹا چھا جاتا ہے میں اسی وقت تمہیں وہاں لے جا سکتا ہوں، تم بھی اس محلے کی عزت بن گئی تھیں، بہت سے لوگ تمہیں پہچانتے ہیں۔"

"میں کسی سے نہیں ڈرتی مگر تم اس محلے میں رہتے ہو تمہیں ڈرنا چاہیے۔ اچھی بات ہے میں دو گھنٹے تک انتظار کروں گی۔"

یہ کہہ کر وہ ٹیکسی سے اتر گئی۔ میں وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ میں نے اسے یہ نہیں بتایا

تھا کہ جس گھر میں وہ بیاہ کر گئی تھی اب وہاں میری بہن رہتی ہے جو میرے ہی محلے میں اسی گھر کے بالکل سامنے ہے اس لئے میں اسے چھپا کر اپنے گھر لے جانا چاہتا تھا میں نے سوچا دو گھنٹے بعد جب وہ میرے گھر میں آئے گی تو میں دو سو روپے اس کے منہ پر پھینک کر اسے یوں طعنے دوں گا کہ دیکھو تمہیں شرافت کی زندگی راس نہیں آئی۔ جس شریف احمد کو تم ٹھکرا کر چلی گئی تھیں، آج میری بہن اسی شریف آدمی کی بیوی بن کر عزت کی زندگی گزار رہی ہے۔ میں سمجھتا تھا میری باتیں اس کے دل میں نشتر کی طرح اتریں گی۔

دو گھنٹے بعد جب میں اسی فٹ پاتھ پر پہنچا تو وہ موجود نہیں تھی۔ میں ٹیکسی روک کر سامنے والے ہوٹل میں چائے پینے چلا گیا۔ وہ میری ٹیکسی کو اچھی طرح پہچانتی تھی جب بھی وہاں آتی ٹیکسی کا دروازہ کھول کر بیٹھ جاتی۔ چائے پی کر میں ہوٹل سے باہر آیا تو ٹیکسی بدستور خالی تھی۔ مجھے اس پر بہت غصہ آیا کہ پتہ نہیں کہاں مر گئی ہے۔ میں وہاں سے چرس کا ایک سگریٹ خریدنے کے لئے تھوڑی سی دور چلا گیا۔

جب میں سگریٹ کے کش لگاتا ہوا واپس آیا تو ٹیکسی خالی تھی مجھے بہت غصہ آیا۔ میں نے چاروں طرف دور دور تک نظریں دوڑائیں۔ مزید ایک گھنٹے تک انتظار کرتا رہا مگر وہ نہیں آئی۔ میں جھنجھلا کر گھر واپس آ گیا۔ چرس کا نشہ گھر کی تنہائی میں مجھے تڑپاتا رہا اور میں تڑپ تڑپ کر اسے گالیاں دیتا رہا۔ دوسری صبح میں دیر تک سوتا رہا۔ جب دوپہر کو ٹیکسی لے کر سڑک پر آیا تو اسی وقت فیصلہ کر لیا اب وہ میری ٹیکسی میں بیٹھنا بھی چاہے گی تو نہیں بٹھاؤں گا، اسے دور ہی سے دھتکار دوں گا۔

رات کے نو بجے میں نے ٹیکسی کا میٹر بند کر دیا اور اسے دروازے کے سامنے کھڑی کر کے پینے کے لئے چلا گیا۔ رات کے ایک بجے واپس آیا تو گھر کا دروازہ کھولتے وقت ٹیکسی کا پچھلا دروازہ بھی کھل گیا۔ وہ نیم تاریکی میں کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے اندھیرے کے باوجود اسے پہچان لیا۔ میں جو اسے دھتکارنا چاہتا تھا، اسے دیکھتے ہی سہم کر آگے بڑھا اور اس کا ہاتھ

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

پچھاڑ کھینچتے ہوئے گھر کے اندر لا کر دروازہ بند کر دیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میری بہن کے سسرال والے اسے دیکھ لیں۔ کمرے میں آنے کے بعد میں نے غصے سے پوچھا۔

"کل تم نے مجھے دھوکہ کیوں دیا تھا؟"

"تمہارے جانے کے بعد مجھے تین سو والی ایک اسامی مل گئی تھی۔"

"تم اس طرح سر جھکا کر کہہ رہی ہو جیسے بہت مظلوم ہو مگر میں سمجھتا ہوں کہ تم کتنی مکار اور چالباز ہو۔ آج سے پانچ برس پہلے جب میں نے تمہاری آرزو کی تھی تو تم نے خالص کاروباری انداز میں مجھے ٹھکرا دیا تھا۔"

وہ بولی "کاروبار آخر کاروبار ہوتا ہے۔ اس میں مکاری بھی ہوتی ہے اور چالبازی بھی۔ تم نے محبت سے تو میری تمنا نہیں کی تھی۔ تم عورت کو مشین بنا کر یہ توقع کیوں کرتے ہو کہ اس کے سینے میں بھی دل دھڑکتا ہوگا۔ کبھی میرے سینے میں دل دھڑکتا تھا، کبھی میں تمنا کرتی تھی کہ کوئی مجھے محبت سے اپنائے، کوئی مجھے ٹائم ٹیبل کے مطابق ملنے والا کھانا سمجھے لیکن تم جیسے مرد نگاہوں کے ایکسرے سے صرف عورت کے لباس کے اندر جھانکتے ہو۔ اس کے سینے میں کتنا خوبصورت دل ہے، یہ کبھی نہیں سمجھتے۔ جب مجھے فٹ پاتھ پر لے آئے ہو تو پھر میرے کاروباری لہجے کا برا کیوں مانتے ہو؟ یہ دیکھو میں کاروبار میں کتنی دیانت دار ہوں۔ کل مجبور ہو گئی تھی آج اس کی تلافی کے لئے آ گئی ہوں یہ نہ سمجھو کہ میں تمہارے عشق میں گرفتار ہو کر یا اپنی ضرورت سے مجبور ہو کر یہاں آئی ہوں۔ میں نے کاروباری مصلحتوں کو پیش نظر رکھا ہے اگر انکار کرو گے تو واپس چلی جاؤں گی۔"

اس کی باتیں سن کر میں نرم پڑ گیا۔ وہ درست کہہ رہی تھی۔ کاروبار میں انکار و اقرار کی تکرار ہوتی ہی رہتی ہے۔ مجھے برا نہیں ماننا چاہئے تھا۔ میں نے جیب سے دو سو روپے نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔ وہ روپے لے کر اپنے پرس میں رکھنے لگی۔ یہ وہی پرس تھا جسے میں نے پہلی بار زیب النساء اسٹریٹ پر دیکھا تھا۔ شاید اس سے دو سال پہلے بھی یہ پرس اس

کے ساتھ رہا ہوگا۔ جب سے وہ اس راستے پر آئی تھی وہ پرس بھی اس کے ساتھ آیا تھا اور اب اس کی طرح رفتہ رفتہ پرانا ہوتا جا رہا تھا۔ اس میں جو رنگ برنگے نگ جڑے ہوئے تھے وہ جگہ جگہ سے اکھڑ گئے تھے۔ آدمی کی جیب ہو یا پرس ہو۔ وہ اپنی آمدنی کے مطابق پھولتا پچکتا اور مرجھاتا جاتا ہے۔

میں اپنی عادت سے مجبور ہوں، فقرے کا موقع آئے تو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"یہ پرس شاید اس وقت بھی تمہارے ساتھ رہا ہوگا جب تم پہلی بار دلہن بن کر اس سامنے والے مکان میں آئی تھیں؟"

اس نے پلٹ کر کھڑکی کی جانب دیکھا۔ کھڑکی بند تھی لیکن چشم تصور میں وہ مکان نظر آ گیا جہاں وہ دلہن بن کر گئی تھی۔ اس نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"اس مکان کی بات نہ کرو۔ وہ جگہ جہنم سے بدتر ہے۔"

میں نے حقارت سے کہا۔

"کیا آج کل تم جنت میں زندگی گزار رہی ہو؟ خبردار اس مکان کو جہنم نہ کہنا کیونکہ وہ میری بہن کی جنت ہے جہاں تم شرافت سے نہیں رہ سکیں، وہاں میری بہن عزت آبرو سے زندگی گزار رہی ہے۔"

اس نے حیرانی سے آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھا پھر دھپ سے چارپائی پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

"کیا تم نے اپنی بہن کو وہاں بیاہ دیا؟ یہ کب کی بات ہے؟"

"جب تمہیں طلاق دی گئی۔ اس کے چھ ماہ بعد میری بہن اس گھر کی عزت بن گئی۔ اس کی شادی کو ساڑھے چھ برس گزر گئے ہیں۔"

"تعجب ہے۔" اس نے حیرانی سے کہا۔ "اب تک تمہاری بہن کو بھی میری طرح فٹ پاتھ

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

پڑ جانا چاہیے تھا۔

"بکواس مت کر۔ ذلیل کمینی ......"

میں چیختے چیختے سنبھل گئی۔ رات کے سناٹے میں میری آواز بہن کے سسرال تک پہنچ سکتی تھی۔ وہ تلخی سے مسکراتی ہوئی بولی۔

"تم سمجھ دار ہو۔ اچھا ہوا خود ہی غصّے کو ضبط کر لیا۔ مجھے بھی افسوس ہے کہ میں نے تمہاری بہن کے متعلق ایسی بات کہہ دی۔ میں کیا کروں؟ میں بھی زخم کھائی ناگن کی طرح تڑپتی ہوں اور جو بھی سامنے آجائے اسے ڈس لینا چاہتی ہوں۔ پہلے میں ایسی نہیں تھی۔ پہلے میں سمجھتی تھی کہ عورت کو صرف محبت ملتی ہے نفرت بھی ملے تو وہ اسے محبت میں بدل دیتی ہے۔ بہت پہلے جب میں سولہ برس کی تھی تو میری زندگی میں ایک نوجوان آیا۔ وہ بہت خوبصورت تھا اسے دیکھ کر اس کی عبادت کرنے کو جی چاہتا تھا۔ میں اپنی خوش قسمتی پر اک دم سے پاگل ہو گئی۔ اس کی خوبروئی اور اس کی شخصیت کے سامنے اپنی ذات کو گم کر دیا۔ محبت میں ایسا ہوتا ہے کہ عورت اپنے آپ کو مار کر صرف اپنے محبوب کی شخصیت کا ایک حصّہ بن جاتی ہے اس کے بعد وہ کچھ اور بننے کی تمنا نہیں کرتی مگر بہت جلد محبت کا یہ سپنا ٹوٹ گیا۔ وہ اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ چلا گیا۔ سات سمندر پار جانے کے بعد وہ کہاں گم ہو گیا، میں نہیں جانتی لیکن اس وقت تک میری معصومیت، میرا کنوارا پن، سب کچھ ختم ہو گیا تھا صرف محبت کی تلخ اور شیریں یادیں رہ گئی تھیں میں نے سوچا تھا کہ انہی یادوں کے سہارے زندگی گذار دوں گی لیکن والدین میرے جذبات کو نہیں سمجھ سکتے تھے جوان لڑکی بیاہی نہ جائے تو وہ سوسائٹی میں سر اٹھا کر نہیں چل سکتے وہ میری شادی کی فکر کرنے لگے۔ انہی دنوں مشرقی پاکستان میں ہنگامے شروع ہو گئے۔ میں نہیں جانتی کہ کون بنگالی اور کون بہاری ہے، اس ہنگامے میں جو لوگ میرے باپ کو قتل کر کے مجھے اٹھا کر لے گئے تھے ان کا تعلق انسان کی کسی قوم سے یا کسی ذات سے نہیں تھا۔ میرے والدین بہاری ہیں لیکن میں پیدائشی طور پر بنگالی ہوں کیونکہ بنگال میں میرا جنم ہوا ہے اس

ہنگامے میں ایک بار بنگالیوں کا پلڑا بھاری ہوا۔ دوسری بار بہاریوں کا پلڑا بھاری ہو گیا۔ جب مجھے بنگالی اٹھا کر لے گئے تو انہوں نے مجھے بہاری لڑکی سمجھ کر میری عزت کو کھلونا بنایا کیونکہ وہ میرے بہاری والدین کی مناسبت سے مجھے جانتے تھے جب بہاریوں نے میری عزت لوٹی تو میں ان کی نظروں میں بنگالی تھی کیونکہ میں نے بنگلہ میڈیم سے تعلیم حاصل کی ہے میں بنگالی زبان روانی سے بولتی ہوں، اُردو اچھی طرح بول نہیں سکتی۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر ذرا دیر کے لئے چپ ہو گئی پھر آنسوؤں سے بھیگی آواز میں کہا۔

"میں کسے الزام دوں؟ کوئی پاکستانی ہوتا تو میں اس کی طرف انگلی اٹھا کر اسے شرم دلاتی۔ وہاں سے یہاں تک میں نے یہی دیکھا کہ سب بنگالی، بہاری، پنجابی، سندھی، اور سرحدی ہیں اور فٹ پاتھ کی دنیا میں یہ قومیں بھی نہیں ہیں، صرف مرد [illegible]۔ پاکستانی کہیں سوئے ہیں۔ میں کیسے بتاؤں کہ مجھے فٹ پاتھ پر کون لایا ہے؟"

میں نے کہا "کوئی بھی لایا ہو لیکن جب تمہیں شرافت کی زندگی گذارنے کا موقع ملا تو تم نے دلہن بننے کے بعد بھی اس زندگی کو ٹھکرا دیا؟"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔

"ہاں۔ میں دلہن بنی تھی اس لئے کہ ہر عورت کے دل میں دلہن بننے اور پھر ماں بننے کا ارمان ہوتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں ایک خیالی جنت کا خواب ہوتا ہے میں اپنی آنکھوں میں ایک خواب سجا کر اس سامنے والے گھر میں سہاگ کی سیج پر آئی تھی۔ اس رات میرے خواب پورے ہو گئے۔ میں نے دیکھا میرا شوہر ادھیڑ عمر کا آدمی ہے مگر بہت محبت کرنے والا ہے اس نے مجھے بہت پیار کیا۔ میں نے اب تک اپنی زندگی میں درندے دیکھے تھے جو عورت کی مرضی کے خلاف اسے چھین لیتے ہیں مگر اس نے بڑی محبت سے میرے وجود کے ذرّے ذرّے کو حاصل کر لیا۔"

"پھر تم نے ایسی محبت بھری زندگی کو کیوں چھوڑ دیا؟"

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اس نے گہری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ میں جانتی ہوں لیلا تم بیچ میں نہ بولو۔ صبح چار بجے تک میں اس کی آغوش میں رہی پھر وہ غسل کر کے نماز پڑھنے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میری ساس میرے پاس آئی۔

اس نے بڑی محبت سے میرا ہاتھ تھام کر بڑی لجاجت سے کہا۔

"بیلا رانی، اب تم اس گھر کی عزت ہو اس لئے تمہیں بھی اس گھر کی عزت کا خیال رکھنا ہوگا۔ میرا بیٹا شریف احمد شادی نہیں کرنا چاہتا تھا جب سے وہ جوان ہوا تھا ہم اس کے لئے فکرمند تھے کہ گھر میں بہو کیسے آئے گی۔ نہیں آئے گی تو لوگ میرے بیٹے کا مذاق اڑائیں گے کہ وہ شادی کے قابل نہیں ہے۔ میں کسی طرح اس کی شادی کرنا چاہتی تھی۔ یوں سمجھو کہ میں اس کی مردانگی کا بھرم رکھنا چاہتی تھی لیکن جب وہ تیس برس کا ہو گیا اور مسلسل شادی سے انکار کرتا رہا تو میرے خاوند نے ایک تجویز پیش کی۔ وہ تجویز ایسی تھی کہ میرے بیٹے کی لاج رہ جاتی لیکن میں ایک عورت ہو کر اس تجویز کو کبھی پسند نہیں کر سکتی تھی پہلے میرے خاوند نے مجھے بہت سمجھایا پھر مجھے اور میرے بیٹے کو مارنے پیٹنے لگا۔ میں اپنے اوپر ظلم برداشت کر سکتی تھی۔ لیکن آئے دن اپنے بیٹے کو لات جوتے کھاتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ کسی دن اسی طرح میرے بیٹے کو مار ڈالے گا۔ آخر میں نے مجبور ہو کر اس کی بات مان لی اور یہ شادی ہو گئی۔ ابھی تمہارے ساتھ جو رات گزار کر نماز پڑھنے کے لئے گیا ہے وہ میرا خاوند نعیم احمد تھا......"

میں لڑکھڑا کر یک بیک یوں پیچھے چلا گیا جیسے بیلا رانی نے مجھے زوردار طمانچہ مارا ہو اور اس کے ساتھ ہی میرے منہ پر تھوک دیا ہو۔ اس وقت میرا سر گھوم رہا تھا۔ شراب کے نشے میں تو گھومتا ہی ہے لیکن حالات کے حرامی نشے نے میرے سارے وجود کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ یہ ہم سب کیسی حرامی زندگی گزار رہے ہیں۔ فٹ پاتھ سے لے کر شریف گھرانوں کے آنگنوں تک ہم کیسی دوغلی حرکتیں کر رہے ہیں اور اس

کے ساتھ ہی اپنی نورانی پیشانی پر سجدوں کا داغ بنائے نماز پڑھنے بھی جاتے ہیں۔

اس وقت میری نگاہوں کے سامنے بیلا رانی نہیں تھی، شمشاد سہاگ کی سیج پر بیٹھی ہوئی تھی اور ایک بچے کو گود میں کھلا رہی تھی۔

وہ کس کا بچہ ہے؟ چاروں طرف سے ایک ہی سوال گونج رہا تھا وہ بچہ کس کا ہے؟

وہ بچہ کسے اپنا باپ کہے گا؟ جو دادا ہے اسے باپ کہے گا۔ جو باپ ہے اسے سوتیلا بھائی کہے گا۔ جو بہو ہے وہ بیوی ہے جو بیوی ہے وہ سوتیلی ماں بن گئی ہے۔ آخ تھو۔ ہم اس دنیا میں کیسے کیسے رشتوں کی کھچڑیاں پکا کر کھاتے ہیں۔ ہضم کرتے ہیں اور ڈکارتے کر فخر کرتے ہیں کہ ہم انسان ہیں۔

میں چکرا کر گر پڑا۔ مجھے صرف اتنا ہوش ہے کہ بیلا رانی نے مجھے سہارا دے کر چارپائی پر لٹائی تھی۔ میں غصے، نفرت اور توہین کے احساس سے کانپ رہا تھا میری نس نس میں شراب سلگ رہی تھی میری حالت ایسی تھی جیسے کوئی خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مار کر تکلیف سے تڑپ رہا ہو۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی بہن کو ایک مہذب چکلے میں بھیجا تھا اور اپنے ان ہی ہاتھوں سے اپنی بہن کے گاہک کا گریبان نہیں پکڑ سکتا تھا کیونکہ اس میں میری بہن کی بدنامی تھی وہ اپنے بچے کے ساتھ دنیا والوں کے سامنے تماشہ بن جاتی۔

میں سڑکوں پر ٹیکسی چلانے والا اور فٹ پاتھ کی زندہ ٹکیوں کو اپنے مزاج کی انگلیوں پر نچانے والا مداری اپنی بہن کو اس سطح پر ناچتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ جب اپنی انگلی کٹتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ دوسروں کا گلا کیسے کٹتا ہے اس وقت میں چاہتا تھا کہ کسی طرح میری آنکھوں سے آنسو نکل جائیں اور میں پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دوں مگر جانے آنسو میرے پتھریلے وجود کے اندر کہاں چھپے ہوئے تھے یہ کب جاگیں گے اور کب میری پلکوں کی دہلیز تک آئیں گے میں زندگی کے ہر دور کرب سے گزرتا ہوں مگر آنسو میرے لب یا آنکھوں میں نہیں آتے۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

جب آنسو نہیں نکلے تو ان کا سارا غبار بخار کی صورت میں ابھر آیا۔ بیلا رانی نے مجھے چھو کر کہا۔

"تمہیں تو بخار چڑھ رہا ہے کیا میں ڈاکٹر کو بلاؤں؟"

میں نے انکار میں سر ہلا دیا۔ اس نے میرے جوتے اتار دیئے اور دوسرے کمرے سے لحاف لا کر مجھ پر ڈال دیا۔ لمحہ بہ لمحہ بخار تیز ہوتا جا رہا تھا اور میں بڑبڑاتا جا رہا تھا۔ مجھے ہوش بھی تھا۔ بیلا رانی میرے قریب تھی۔ اس نے کہا۔

"میرے پاس اسپرو کی دو ٹکیاں ہیں انھیں کھا لو۔"

پتہ نہیں اس نے وہ دو گولیاں مجھے کیسے کھلا دیں۔ اس وقت مجھے بیلا رانی جیسی عورتوں کے پرس یاد آرہے تھے جن میں پاس بک، ٹیبلٹ ہوتی ہیں۔ جن میں اسپرو کی ٹکیاں ہوتی ہیں جن میں خواب اور گولیاں ہوتی ہیں۔ جن میں ان کے ہر زخم کا علاج ہوتا ہے کاش کہ میری بہن کے پرس میں بھی کوئی ایسی ٹکیہ ہوتا جسے نگل کر وہ ہمیشہ کی نیند سو جاتی مگر میرے سوچنے سے میری بہن نہیں مر سکتی تھی اور میری دنیا کی بے حیائی نہیں مر سکتی تھی اسے مارنے کے لئے مجھ جیسے لوگوں کو مرنا پڑے گا لیکن میں کیسے مر سکتا ہوں۔ اپنی زندگی کسے عزیز نہیں ہوتی۔ اگر مجھ جیسے لوگ اتنی جلدی، اتنی آسانی سے مر جاتے تو بیلا رانی جیسا پھول پیارے گلدان میں سجنے کی بجائے سماج کے اگالدان میں نہ چلا جاتا۔

صبح تک میں بخار میں پھنکتا رہا۔ بیلا رانی میرے پاس رہی حالانکہ اسے چلا جانا چاہئے تھا جب اس کا خریدنے والا بیمار تھا اور اسے اپنے استعمال میں نہیں لا سکتا تھا تو ایسی صورت میں ہمارے درمیان کوئی جھوٹا رشتہ بھی نہیں رہ جاتا تھا وہ میرے گھر سے جا سکتی تھی لیکن اس وقت میں نے سوچا کہ وہ صبح تک رہ کر اور میری تیمارداری کے فرائض انجام دے کر دو سو روپے وصول کرنا چاہتی ہے دو سو روپے کی رقم بہت بڑی ہوتی ہے وہ صبح تک میرے پاس رہ کر کما سکتی تھی۔

"دو سو روپے کے مطابق میں نے تمہارے ساتھ رات گزار دی۔ اب اگر تم مجھے ہاتھ نہ لگا سکے تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔"

لیکن صبح ساڑھے چار بجے جب اذان کی آواز آنے لگی تو اس نے اپنا پرس کھولا اور اس میں سے دو سو روپے نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہمارا سودا مکمل نہ ہو سکا۔ تم نے مجھ سے میری قیمت وصول نہیں کی اس لئے میں یہ روپیہ نہیں لے سکتی۔"

یہ کہہ کر اس نے سو سو کے دو نوٹ میرے سرہانے رکھ دیئے اور پرس بند کر کے اپنی جگہ سے اٹھتی ہوئی بولی۔

"ابھی اندھیرا ہے مجھے یہاں سے نکل جانا چاہئے اگر نعیم احمد نے دیکھ لیا تو میرا کچھ نہیں بگاڑے گا اس کا سر میرے سامنے شرم سے جھک جائے گا بشرطیکہ اسے شرم ہو لیکن تم اس کے سامنے سر نہیں اٹھا سکو گے کیونکہ وہ تمہارا اصلی بہنوئی لگتا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔ مجھے نعیم احمد کا ڈر نہیں تھا۔ میں صرف محلے والوں سے ڈرتا تھا کہ کہیں کوئی اسے دیکھ نہ لے اس خیال سے میں نے اپنے بستر کے سرہانے کی طرف سے ذرا سا اٹھ کر لائٹ آف کر دی اور سرہانے کی کھڑکی کھول دی۔ کھڑکی پر پردہ پڑا ہوا تھا اور کمرے میں اندھیرا تھا باہر سے کوئی مجھے دیکھ نہیں سکتا تھا میں باہر کا منظر دیکھ سکتا تھا اس وقت گلی ویران تھی صرف ایک کتا چہل قدمی کر رہا تھا لیکن جس وقت بیلا رانی میرے مکان کا دروازہ کھول کر باہر نکلی اور چند قدم آگے بڑھی، اسی وقت سامنے میری بہن کے مکان کا دروازہ کھلا۔ نعیم احمد سر پر ٹوپی رکھے ہوئے نماز پڑھنے کیلئے مسجد کی طرف جانے والا تھا۔ ہم دونوں کے مکان کے درمیان تقریباً بارہ گز کا فاصلہ تھا اتنے قریب سے وہ بیلا رانی کو دیکھتے ہی ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ بیلا رانی بھی رک کر اسے دیکھنے لگی۔ پہلے تو نعیم احمد نے میرے گھر کے دروازے کی طرف دیکھا۔ اسے توقع تھی کہ

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

شاید میں نظر آؤں گا۔ پھر اس نے کھڑکی کی جانب دیکھا جہاں تاریکی میں پردے کے پیچھے سائے
نظر آ رہے تھے۔ پھر اس نے متلاشی نظروں سے اپنے چاروں طرف دیکھا جب اسے اطمینان ہو گیا کہ کسی
طرح کی بدنامی کا چھینٹا اُڑ کر اس کے اُجلے دامن تک نہیں آ سکے گا تو وہ بیلا رانی سے نظریں
ملا کر اپنی مختصر سی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا۔

بیلا رانی کی پشت میری کھڑکی کی جانب تھی اس لئے میں اس کے چہرے کے تاثرات نہ دیکھ
سکا ویسے میرا خیال تھا کہ وہ نفرت کا اظہار کرے گی اور اس کمبخت پر تھوک کر چلی جائے گی
لیکن وہ اپنی کمر پر ہاتھ رکھے ایک ادائے ناز سے کھڑی ہوئی تھی اس نے ایک جھٹکے سے اپنی
ساڑھی کا پلو ڈھلکا دیا پھر سینہ تان کر ایک ہاتھ سے پرس کو جھلاتی ہوئی لچکتی اور بل کھاتی ہوئی
نعیم احمد کی طرف بڑھنے لگی۔

اُسے اپنی طرف آتے دیکھ کر نعیم احمد ایک دم سے گھبرا گیا اور پلٹ کر مسجد کی
طرف تیز قدموں سے جانے لگا۔ اسے بھاگتے دیکھ کر بیلا رانی وہاں سے پلٹ گئی پھر کھڑکی
کے پاس آ کر آہستگی سے بولی۔

"بس۔ مرد کی مردانگی بس اتنی ہی ہوتی ہے۔ تم لوگ عورت کے سامنے صرف تنہائی کے
مرد میدان ہو۔ تنہائی سے باہر اسی عورت کے سامنے ہو جانے پر خدا یاد آ جاتا ہے۔ تمہارا وہ ملا
بھی اللہ میاں کے پاس پناہ لینے گیا ہے۔"

وہ ہنستی ہوئی اور پرس جھلاتی ہوئی مجھ سے دور ہوتی چلی گئی۔ میں اتنی دیر بیٹھنے کی
وجہ سے تھک گیا تھا۔ نڈھال ہو کر بستر پر گر پڑا۔ ایک رات کے جاگنے نے مجھے بہت کمزور بنا دیا
تھا۔ نہیں میں غلط کہہ رہا ہوں۔ اس دنیا کی زہریلی سچائی نے مجھے اندر سے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔
مجھے بیلا رانی کی زہریلی ہنسی پر غصہ نہیں آیا۔ میں نعیم احمد کو دیکھ کر جھلا گیا تھا۔
میرے جی میں آیا تھا کہ میں دوڑتا ہوا باہر جاؤں اور اس کا گلا دبا دوں۔ لیکن میرے ہاتھ بہت
کمزور ہو گئے تھے کیونکہ میں نے نادانستگی میں ان ہی ہاتھوں سے اپنی بہن کو اس کے عشرت

کدے میں بھیجا تھا۔ مجھے سنجیدگی سے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ اب وہ اس شرمناک دھندے سے الگ ہو جائے
گی۔ یہ فیصلہ کرنے کے لئے میں بہن کے دروازے تک نہیں جا سکتا تھا کیونکہ بستر پر اٹھ کر بیٹھتے
وقت اب میرا سر چکرانے لگتا تھا۔

میں بہت دیر تک بستر ہی پر لیٹا رہا اور خیال ہی خیال میں نعیم احمد کو قتل کرتا رہا۔
آدھ گھنٹے کے بعد نعیم احمد زیر لب مقدس آیتیں پڑھتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے
چہرے سے پریشانی ظاہر تھی اور میرے چہرے سے غصہ ظاہر ہو رہا تھا۔ اس نے مجھے دیکھتے
ہی کہا۔

"تمہارے دیکھنے کا انداز بتا رہا ہے کہ بیلا رانی تمہیں سب کچھ بتا چکی ہے۔"
میں نے غصے کی حالت میں تھوک اڑاتے ہوئے کہا۔

"ہاں، وہ مجھے بتا چکی ہے کہ تم کتنے بڑے شیطان ہو۔ میرا بس چلے تو
میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"اچھا ہوا کہ تم بیمار ہو۔ نہ زیادہ چیخ سکتے ہو نہ مجھ پر ہاتھ اٹھا سکتے ہو۔ اس
طرح میں سکون سے کچھ باتیں کر سکوں گا۔ ابھی بیلا رانی کو تمہارے گھر سے نکلتے دیکھ کر بہت
پریشان ہو گیا ہوں۔ میں یہ بھول گیا تھا کہ یہ ایک ایسا محلہ ہے جہاں سے شہر کا ہر آدمی
ایک بار ضرور گزرتا ہے۔ یہیں سے شریف عورتیں بھی سفر کرتی ہیں اور بازاری بھی۔ مجھے پہلے
ہی پتہ چل گیا تھا کہ بیلا رانی بازاری بن چکی ہے مگر تمہیں اپنی بہن کو یہاں نہیں لانا
چاہیے تھا۔"

"میں کسی کو بلانے نہیں جاتا۔ سواریاں خود ہی چل کر آتی ہیں۔ اچھا ہوا کہ
وہ آ گئی اور اس نے تمہارے شیطانی چہرے کو ننگا کر دیا۔ اگر تم اپنی خیریت چاہتے ہو
تو ابھی میری بہن کو یہاں لے آؤ۔"

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

"تمہاری بہن جاہل ہے۔ اسے دیہی رہنے دو۔ اسی میں ہم دونوں کی بھلائی ہے
تم مجھ پر ہاتھ اٹھاؤ گے یا مجھے بدنام کرنا چاہو گے تو میرے ساتھ تمہاری بہن بھی بدنام ہو گی۔
شریف احمد ایک ایسا پردہ ہے جس کے پیچھے تمہاری شریف بہن عزت سے زندگی گزار رہی
ہے۔"

میں نے غصے سے چیخ کر کہا۔

"ایسی باتیں نہ کرو میں تمہیں جان سے مار ڈالوں گا۔"

"شیدے! غصہ کرنے سے پہلے یہ سوچو کہ شادی سے پہلے تمہاری بہن ماں بننے والی
تھی۔ اتنی بڑی دنیا میں ایک میں ہی ہوں جس نے تمہیں بدنامی سے بچایا ہے اگر میں اس گناہ کی گٹھڑی
کو اپنے گھر نہ لاتا تو کیا اس وقت بھی تم اسی طرح چیخ چیخ کر کہہ سکتے تھے کہ تمہاری بہن بدکار ہے
نہیں ایک بھائی اپنی زبان سے اپنی بہن کے لئے ایسی باتیں نہیں کہہ سکتا اور آج بھی تم ایسی بات نہیں
کہہ سکتے۔ اگرچہ وہ آج بھی بدکار ہے مگر اسی مٹھائی پر چڑھے ہوئے چاندی کے ورق کی طرح
وہ چمکیلی اور عزت دار زندگی گزار رہی ہے۔ اس عزت کی چمک کے پیچھے وہ کیا ہے؟ میں کیا ہوں؟
وہ کیسی ہے؟ میں کیسا ہوں؟ یہ نہ دیکھو تم کیوں اور کیسے کا نشتر لے کر نکلو گے تو یہ ساری دنیا
تمہیں بڑی گندی نظر آئے گی۔"

"میں تمہاری ان فضول باتوں کو سمجھنا نہیں چاہتا۔ تم ابھی جاؤ اور میری بہن کو یہاں پہنچا دو۔"
وہ اپنی جگہ سے اٹھتا ہوا بولا۔

"میں خوب سمجھتا ہوں کہ تم ٹیکسی چلاتے وقت دوسروں کی بہنوں کو ایک جگہ سے
دوسری جگہ پہنچاتے ہو۔ انہیں ان کے گھر بھی واپس لے آتے ہو۔ میں ابھی تمہاری بہن کو تمہارے
گھر پہنچا دوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔ اس کی باتیں میرے سینے میں خنجر کی طرح اتر رہی تھیں
میرا کچھ کردار بالکل ہی میرے سامنے آیا۔ کیا اتنے شرمناک واقعے کے بعد مجھے عبرت حاصل ہو سکتی تھی؟

ہاں عبرت حاصل ہوئی لیکن میں کس طرح شرافت سے زندگی گزار سکتا تھا؟ اور دوسروں
کو گمراہی سے بچا سکتا تھا؟ کیا بیلا رانی جیسی عورتیں میری ٹیکسی میں آ کر بیٹھیں تو میں انہیں نصیحتیں شروع
کر دیتا؟ نیک ہدایت دینے والے اس دنیا میں بہت ہیں لیکن نیکی پھر بھی کہیں نہیں ہے میں بیلا رانی
کو اپنی ٹیکسی میں نہیں بٹھاؤں گا تو اس کے لئے ہزاروں ٹیکسیوں کے دروازے کھلے ہیں بیلا رانی توبہ کر کے
شریفوں کی دنیا میں آئے گی تو پھر کوئی شریف آدمی غیر شرعی دین ہوا دار کے ایک عورت کی کمزوری
سے فائدہ اٹھائے گا۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس طرح بات میری سمجھ میں آ گئی۔ میں آپ کو یہی
سمجھاتا ہوں اور میں اس دنیا کے ہادی اور مصلحین کو یہی سمجھاتا ہوں کہ تم ہمیشہ غلطی سے چوروں
بدمعاشوں اور غلط کاروں کو سمجھاتے رہتے ہو۔ دراصل تمہیں شریف آدمیوں کو سمجھانا چاہئے کیونکہ
اس دنیا کی زیادہ سے زیادہ غلاظتیں شریف گھرانوں کی دہلیز سے نکل کر فٹ پاتھ پر آتی ہیں۔

نعیم احمد جلدی ہی شمشاد کو لے کر میرے پاس آیا۔ شمشاد اپنے چادر برقعے کو
اٹھائے دروازے پر آ کر کھڑی ہو گئی۔ شرم سے وہ کمرے کے اندر نہیں آئی۔ اس کا جھکا ہوا سر بتا رہا
تھا کہ اسے تمام حالات کا علم ہو چکا ہے میں نے اسے دیکھتے ہی طنز کیا۔

"شمشاد! تم اندر آ جاؤ اور اس خبیث کو باہر جانے دو۔ اگر میں بستر سے اٹھنے کے قابل
ہوتا تو اسے دھکے دے کر گھر سے باہر نکال دیتا۔"

شمشاد اندر نہیں آئی۔ نعیم احمد باہر چلا گیا۔ اس نے کہا۔

"شیدے! تو احمق ہے۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بیلا رانی میری زندگی سے نکل کر کہاں
پہنچی ہے؟ تو اپنی بہن کو میری زندگی سے نکال کر کہاں پہنچانا چاہتا ہے؟ اس معاشرے
میں تیری کونسی عزت ہے کہ تو اس عزت کا تھوڑا سا حصہ بہن کو دے سکے گا؟ اگر حقیقت کی نظر
سے دیکھے گا تو یہ شمشاد، بیلا رانی کی سطح پر زندگی گزار رہی ہے ایسے وقت عقل کی ضرورت ہوتی
ہے اگر اپنی آنکھوں میں کوئی عیب ہو تو تاریک شیشوں کی عینک لگا کر اسے چھپایا جاتا ہے۔
اس طرح سیاہ چشمے سے گورے چہرے کا حسن بھی بڑھ جاتا ہے ہر برائی کو چھپانے کے لئے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ایک خوبصورت نقاب کی ضرورت ہوتی ہے اس محلے میں جو میری شہرت ہے جو میری عزت ہے اس سے زیادہ خوبصورت نقاب تیری بہن کو نہیں مل سکتا۔ اچھی طرح سوچ لے تو شمشاد کو مجھ سے چیمپین کلاس کی زندگی بسر کرے گا۔

وہ جھوٹی عزت کا بھرم قائم رکھنے کے لیے بڑی عمدہ تجویز پیش کر رہا تھا۔ یہ بات ابھی گھر کی چار دیواری سے باہر نہیں گئی تھی اگر میں خاموش رہتا تو یہ راز یہیں دفن ہو جاتا اور ہم سب سماج کے عزت دار افراد کی طرح پھر سے زندگی گزارنے لگتے۔ میں نے شمشاد کو سوالیہ نظروں سے دیکھا وہ پہلی بار بولی۔

"مجھے اس راہ پر لانے والا ایک معلّم ایک پروفیسر تھا۔ جب تعلیم دینے والے ایسی راہوں پر لگا دیں تو ایک کے بعد دوسری راہیں کھلتی جاتی ہیں۔ مجھے دوسری راہ کا یہ رہبر ملا۔ یہ میرا مجازی خدا نہیں ہے مجازی کا مطلب جھوٹ اور فرضی ہے تو پھر یہ میرے جسم و جان کا جھوٹا خدا ہے اس کے بعد میں کسی تیسرے کے ہاتھ میں نہیں جانا چاہتی۔ میں جہاں ہوں مجھے وہیں پڑا رہنے دو۔ یوں بھی اب میں صرف تیری بہن ہوں اپنے اس بچے کی ماں ہوں۔ یہ دنیا والوں کے لیے ناجائز سہی لیکن بچہ کبھی ماں کے لیے ناجائز نہیں ہوتا۔ میں اس بچے کی زنجیر سے نعیم احمد کے ساتھ بندھ چکی ہوں۔ تم مجھے بھول جاؤ۔ ہو سکے تو یہ گھر اور یہ محلہ چھوڑ کر چلے جاؤ۔ میں نہیں چاہتی کہ اب ہماری نگاہیں ملیں۔ کم از کم بھائی بہن کی آنکھوں میں اتنی تو حیا ہو کہ وہ بدکار زندگی کے آئینے میں ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکیں۔"

یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔ حیا کی بات آئی تو مجھے خیال آیا کہ جب سے وہ دروازے پر آئی تھی اس نے ایک بار بھی مجھ سے آنکھ نہیں ملائی تھی اور تب یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ جنہیں ہم گناہ گار کہتے ہیں وہ بھلے تمہارے سامنے لباس تو ضرور کھولتی ہیں لیکن حیا سے آنکھ نہیں کھولتیں۔ اتنی بڑی دنیا میں شرم اگر کہیں ہے تو صرف عورت کی آنکھ میں ہے۔

*

کبھی کبھی میری ٹیکسی جرائم کا اڈہ بن جاتی ہے۔ رات کے وقت میں گرومندر سے سواری اٹھا کر آگے بڑھا تو لسبیلہ کے چوراہے پر چاروں طرف سے پولیس کی جیپ کاروں نے میری ٹیکسی کو گھیر لیا۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تین آدمیوں نے ٹیکسی سے نکل کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن پکڑے گئے۔ میری ٹیکسی کی اگلی اور پچھلی سیٹ کے درمیان ایک بڑا سا تھیلا رکھا ہوا تھا۔ پولیس والوں نے جب مجھے بھی ہتھکڑی پہنائی تو پتہ چلا کہ اس تھیلے میں چرس بھری ہوئی تھی۔ میں نے تھانے کی طرف جانے کے دوران بڑی بڑی قسمیں کھا کر یقین دلانے کی کوشش کی کہ میں مجرم نہیں ہوں۔ ان لوگوں کو میں نے پہلے نہیں دیکھا جو چرس کا تھیلا لے کر کہیں جا رہے تھے۔

ٹیکسی ڈرائیور کب ایماندار اور شریف سمجھے جاتے ہیں؟ کسی نے میری سچائی کا یقین نہیں کیا تھانے کا انچارج اتنا ایماندار تھا کہ ان تینوں مجرموں کی بڑی سے بڑی رشوت بھی کام نہ آسکی اس نے ہم سب کے باری باری بیانات لیے۔ جب میرے بیان دینے کی باری آئی تو میں نے ٹیکسی کے ڈیش بورڈ سے میٹرک کا سرٹیفکیٹ نکال کر بتایا کہ میں نے دس برس پہلے فرسٹ ڈویژن میں میٹرک پاس کیا تھا۔ میں ایک شریف آدمی ہوں۔ حالات نے مجھے ٹیکسی ڈرائیور بنا کر ایک ایسی جگہ لے آئے ہیں جہاں صرف چور بدمعاش آتے ہیں۔

تھانے کا انچارج واقعی شریف آدمی تھا۔ وہ میری تعلیمی صلاحیتوں سے اور میری باتوں سے متاثر ہو گیا۔ اس نے کہا۔

"وہ میں مانتا ہوں کہ مسافروں کو ٹیکسی میں بٹھانے سے پہلے ان کا سامان چیک کرنے کا دستور نہیں ہے۔ ٹیکسی ڈرائیور اس بات سے بے خبر ہوتے ہیں کہ ان کی گاڑی میں بیٹھنے والے غیر قانونی چیزیں ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں پھر بھی اکثر ٹیکسی ڈرائیور دانستہ مجرموں کا ساتھ دیتے ہیں اور اپنی ٹیکسیوں کو جرائم کا اڈہ بناتے ہیں اگر کوئی شریف آدمی تمہاری شرافت کی ضمانت دے گا تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ اس وقت تک تمہیں حوالات میں رہنا پڑے گا کوئی ایسا آدمی ہو تو مجھے اس کا نام اور پتہ بتاؤ۔ میں اسے یہاں بلواؤں گا۔"

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

میں سوچ میں پڑ گیا کہ کس شریف آدمی کا نام اور پتہ بتاؤں؟ اس دنیا میں شریف آدمی ضرور بستے ہوں گے لیکن میں زندگی کی جس ٹریفک سے گزرتا آیا ہوں وہاں کوئی شریف آدمی کبھی نظر نہیں آیا۔ اب میں تھانے کے انچارج سے یہ بات نہیں کہہ سکتا تھا۔ وہ جو تا ہیں کہتا کہ آدمی خود شریف ہو تو اسے شریفوں کی صحبت مل جاتی ہے۔ میں نے کہا۔

"جناب! میں اس دنیا میں تنہا ہوں۔ میرے دن رات کا زیادہ حصہ ٹیکسی میں بیٹھ کر یا سو کر گزرتا ہے۔ کراچی شہر میں کوئی شریف آدمی تنہا یا اپنی فیملی کے ساتھ سال ڈیڑھ سال سے زیادہ ایک ہی کرائے کے مکان میں نہیں رہ سکتا۔ مالک مکان ہزار بہانوں سے اسے مکان خالی کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ مکان خالی کرانے کے لئے کبھی وہ اپنے مکان کو فروخت کرنے کا بہانہ کرتا ہے۔ کبھی بیرون ملک سے اس کے رشتے دار آنے والے ہوتے ہیں کبھی اس کی بیٹی کی شادی کے لئے مکان خالی کرنا پڑتا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جب تک ہم ایک مکان اور ایک محلے میں رہ کر وہاں کے شریف لوگوں سے تعلقات پیدا کریں، اس وقت تک ہم مکان بدر اور محلہ بدر کر دیئے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ شریف لوگ منہ چھوڑ کر چلے جاتے ہیں جو ہماری شرافت کے ضامن ہو سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں، میں ضمانت کے لئے کسے طلب کر سکتا ہوں؟ مجھے سوچنے کا موقع دیجئے۔"

مجھے رات بھر سوچنے کے لئے حوالات میں بند کر دیا گیا۔ یہ میرے لئے بڑی شرم کی بات تھی کہ میں اتنی طویل زندگی میں ایک بھی شریف آدمی سے دوستی نہیں کر سکا تھا۔ اگر دوستی اور تعلقات پیدا بھی کئے تو انہوں نے اپنی شرافت کے پیچھے چھپی ہوئی ذلالت دکھا دی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کون سے ایمان اور کون سی تہذیب کی کسوٹی پر شریف آدمی پہچانے جاتے ہیں؟

میں حوالات کی سلاخوں کو تھامے کھڑا تھا کہ تھانے میں بیلا رانی آ گئی۔ اس کے ساتھ ایک اچھا قبول صورت نوجوان تھا۔ اس نوجوان نے تھانے کے انچارج کو سلام کرنے کے بعد بیلا رانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"جناب! یہ میری بیوی ہے۔ میرا نام مصلح الدین ہے ابھی میں سعید چوک سے گزر رہا تھا

تو شیدے ٹیکسی ڈرائیور کو آپ گرفتار کر کے لے جا رہے تھے۔ میری بیوی نے مجھے بتایا کہ شیدے بہت اچھا انسان ہے اس نے ایک بار میری بیوی کو غنڈوں سے بچایا تھا۔ اسی لئے ہم اس خیال سے یہاں آئے ہیں کہ شاید ہم کسی طرح شیدے کے احسان کا بدلہ چکا سکیں ہم غریب آدمی ہیں روپے پیسے سے اس کی ضمانت نہیں دے سکتے۔ جس طرح ممکن ہو، یہ یقین دلا سکتے ہیں کہ یہ شریف آدمی چرس کا دھندا نہیں کرتا ہے۔"

تھانے کے انچارج نے پوچھا۔ "تم کہاں رہتے ہو؟"

"داؤد چورنگی ایک نمبر میں۔"

"کیا کام کرتے ہو؟"

"ریلوے پر پارسل بیچتا ہوں۔"

اتنے میں ایک سپاہی نے تھانے کے انچارج سے کہا۔

"سر! آپ اس علاقے میں نئے آئے ہیں لیکن یہ بیلا رانی اس تھانے میں کئی بار آ چکی ہے یہ پیشہ کرنے والی عورت ہے۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ یہ اس نوجوان سے شادی کر چکی ہے۔"

تھانے کے انچارج نے گھور کر بیلا رانی اور مصلح الدین کو دیکھا۔ بیلا رانی نے جلدی سے کہا۔

"حضور! پہلے میں بری عورت تھی مگر خدا کی قسم میں چھ ماہ سے ایک وفادار بیوی بن کر مصلح الدین کے ساتھ شرافت کی زندگی گزار رہی ہوں اگر میں پہلے کی طرح ہوتی تو اتنی دلیری سے یہاں نہیں آتی۔ کیا میں نہیں جانتی ہوں کہ یہاں کے تمام سپاہی مجھے جانتے ہیں۔ یہاں میرا جھوٹ پکڑا جائے گا۔ چونکہ میں جھوٹی نہیں ہوں اسی لئے اپنے خاوند کے ساتھ آئی ہوں۔"

تھانے کے انچارج نے کہا۔

"یہ بڑی اچھی بات ہے کہ تم شرافت کی زندگی گزار رہی ہو لیکن ہم نہیں جانتے کہ تم کب تک مستقل مزاجی سے عزت سے زندگی گزارو گی۔ ابھی تم آزمائشی دور سے گزر رہی ہو۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

مجھے افسوس ہے کہ اب تمہاری کوئی ضمانت دے کسی طرح کا یقین دہانی قابلِ قبول نہ ہوگی۔ تم دونوں اگر شیدے کے کام آنا چاہتے ہو تو کسی ایسے شخص کو لاؤ جو اس معاشرے کا یا اپنے علاقے کا معزز اور شریف انسان ہو۔"

میں نے سلاخوں کے پیچھے سے بیلارانی کو دیکھا۔ وہ مایوس ہو کر کبھی میری طرف اور کبھی مصلح الدین کی طرف دیکھ رہی تھی مصلح الدین کی نگاہوں کی بے بسی بتا رہی تھی کہ اس نے بھی اس معاشرے میں کوئی معزز اور شریف انسان نہیں دیکھا ہے یہ عجیب سی بات ہے کہ کانٹوں کی زندگی میں پھولوں کا حسن ہوتا ہے۔ سانپ کی زندگی میں سورج کی اُجلی اور شفاف کرنیں ہوتی ہیں پھر بھی ذلیل انسانوں کی زندگی میں کوئی اُجلے بے داغ دامن والا شریف آدمی نظر کیوں نہیں آتا۔ آخر یہ شریف آدمی کہاں پائے جاتے ہیں۔

بیلارانی اور مصلح الدین وہاں سے اٹھ کر کسی معزز آدمی کی تلاش میں چلے گئے میں بیلارانی کے متعلق سوچنے لگا۔ میں نے اسے کبھی غنڈوں سے نہیں بچایا تھا وہ خواہ مخواہ میرے ناکردہ احسان کا بوجھ اٹھائے آئی تھی میں سمجھ گیا۔ اس نے صرف تھانیدار کو متاثر کرنے کے لئے جھوٹ کہا تھا۔ پتہ نہیں اس میں کہاں تک سچائی تھی کہ وہ مصلح الدین سے شادی کر چکی ہے۔

ایک گھنٹہ بعد میں نے سلاخوں کے پیچھے سے نعیم احمد کو دیکھا۔ وہ ایک بغل میں فائل دبائے اور دوسرے ہاتھ میں ہاتھی دانت کے دستے کی ایک چھڑی پکڑے ہوئے تھا۔ بدن پر کفن کی طرح سفید لباس تھا جو اس کی شخصیت اور کردار کو اُجلا اور بے داغ بتا رہا تھا اس کی پیشانی کا داغ اور خضاب رسیدہ مختصر سی داڑھی اس کے شریف اور ایماندار ہونے کا سرٹیفکیٹ پیش کر رہی تھیں وہ حسبِ معمول زیرِ لب مقدس آیتیں پڑھ رہا تھا میں چیخ کر کہنا چاہتا تھا اس کی زبان سے ان مقدس آیتوں کو چھین لو۔ کلامِ پاک کو مذاق نہ بناؤ۔ کیا یہ ہدایات دینے والی کتابِ الٰہی ہے یہ بے ایمان نمازیوں کے لئے اتاری گئی ہے؟

مگر میں کچھ نہ کہہ سکا کیونکہ میری زبان کھلتے ہی اس کے ساتھ میری بہن بھی بدنام

ہو جاتی۔ ویسے بھی کیا ہم سب اپنے جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لئے اور اپنی جھوٹی عزت کا بھرم رکھنے کے لئے خدا کی قسم اور کلامِ پاک کی قسم نہیں کھاتے ہیں؟ وہ بھی مقدس آیتوں کو کھا رہا تھا۔

اس نے ایک نظر مجھ پر ڈالی۔ پھر تھانے کے انچارج کو سلام کرتے ہوئے مصافحہ کیا اس کے بعد ایک کرسی پر بیٹھ کر فائل کو کھولتے ہوئے کہا

"بندے کو شیخ نعیم احمد کہتے ہیں۔ خاکسار پچھلے بارہ برس سے اپنے محلے کا بی ڈی ممبر ہو اور اس کے بعد چیئرمین رہ چکا ہے یہ دیکھئے یہ ہیں کاغذات ......"

وہ فائل سے ایک ایک کاغذ نکال کر دکھانے لگا۔ وہ کاغذات بتاتے تھے کہ وہ اپنے محلے کا سب سے عزت دار اور مخلص انسان ہے۔ اس نے چیئرمین بننے کے بعد محلے میں پانی کے نلکے لگوائے ہیں پرائمری اسکول کھولا ہے مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا ہے محلے کی ایک گلی کو آج بھی نعیم احمد کہا جاتا ہے۔ غرض کہ اس دنیا میں نیک کام کر کے وہ مرنے کے بعد جنت میں جانے کے تمام اہم سرٹیفکیٹ حاصل کر چکا ہے۔

اتنے اہم سرٹیفکیٹ دیکھ کر تھانے کا انچارج اس کی شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے پوچھا۔

"آپ شیدے کو کیسے جانتے ہیں؟"

نعیم احمد نے جواب دیا "شیدے کی سگی بہن میرے بیٹے کی شریکِ حیات ہے حالات نے اسے ٹیکسی ڈرائیور بنا دیا ہے ورنہ یہ شریف خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی لئے میں نے اس کی بہن کو بڑی عزت آبرو کے ساتھ اپنی بہو بنایا ہے۔"

تھانے کے انچارج نے مطمئن ہو کر کہا۔

"یہ بات شیدے کو پہلے ہی بتانا چاہئے تھا کہ وہ آپ جیسی معزز ہستی کا رشتے دار ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ بعض لوگ اتنے خوددار ہوتے ہیں کہ بہن اور بیٹی کے سسرال والوں کو تھانے کچہری میں بلا کر زحمت نہیں دیتے ہیں بہرحال آپ شیدے کو ساتھ لیجائیے مگر اس

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کیس میں جب بھی شیدے کی طلبی ہو، اسے عدالت میں حاضر کرنا آپ کی ذمہ داری ہوگی۔"

نعیم احمد نے ذمہ داری لے لی اور میں رہا کر دیا گیا۔ حوالات کے آہنی دروازے سے نکلتے وقت یہ عقدہ حل ہو گیا کہ اس معاشرے کے شریف آدمی صرف کیریکٹر سرٹیفکیٹ میں پائے جاتے ہیں۔

میں نے نعیم احمد سے بات نہیں کی۔ تقریباً دو برس سے میں نے اس کی اور اپنی بہن کی صورت نہیں دیکھی تھی۔ میں نے وہ محلہ ہی چھوڑ دیا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ مجھ سے زیادہ کمینہ آدمی مجھ سے زیادہ شریف بن کر میری ضمانت کے لئے آ جائے گا۔ مجھے اس کا احسان نہیں لینا چاہئے تھا۔ اسی طرح حوالات میں رہنا چاہئے تھا مگر اس کمبخت نے تھانے میں آکر بھی بڑی معصومیت سے کہہ دیا تھا کہ میری بہن اس کے گھر میں ہے۔ ایسی صورت میں، میں اس کی رشتہ داری سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ تھانیدار کے سامنے میرے انکار کی کوئی معقول وجہ نہیں تھی۔

میں نعیم احمد کے ساتھ تھانے سے باہر اپنی ٹیکسی کے پاس آیا۔ وہاں بیلا رانی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ نعیم احمد میرے ساتھ سامنے والی سیٹ پر آ گیا۔ میں نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"بیلا! تم اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکیں۔ میرے لیے یہی بہت ہے کہ تم میری ہمدردی میں اب تک یہاں موجود رہیں۔"

بیلا رانی نے خوشی سے لہک کر کہا۔

"ارے واہ! میری کوشش کامیاب کیوں نہیں ہوئی؟ اس شریف مرغے کو میں ہی تو پکڑ کر لائی ہوں۔"

میں نے حیرانی سے عقب نما آئینے میں اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا نعیم احمد کو تم بلا کر لائی ہو؟"

"ارے شیدے! تو نے بھی گھاس کھا لی ہے۔ مجھ جیسی ٹیکسی کے بلانے سے بھلا کوئی

شریف آدمی گھر سے نکل کر آ سکتا ہے؟ میں نے مصلح الدین کو قاصد بنا کر اس کے پاس پیغام بھیجا تھا کہ تیرا سالا شیدے حوالات میں ہے......"

میں نے غصے سے کہا۔ "بکواس مت کر۔ میں اس بدمعاش کا سالا نہیں ہوں۔"

وہ بولی۔ "تیرے انکار کرنے سے حقیقت تو نہیں بدل جائے گی تو گرم کیوں ہوتا ہے۔ چل تجھے سالا نہیں کہوں گی پہلے میری بات تو سن لے۔ تیرا بہنوئی ـــ نہیں پھر مجھ سے بھول ہو گئی اسے تیرا بہنوئی کہوں گی تو پھر سالا بن جائے گا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ حرامی رشتوں کو دنیا والوں کے سامنے کن رشتوں سے پکارا جائے! میں یہ کہہ رہی تھی کہ یہ سالا نعیم تیری ضمانت کے لئے یہاں آنے سے انکار کر رہا تھا۔"

نعیم احمد نے عاجزی سے کہا۔

"دیکھو بیلا رانی! میں عزت دار آدمی ہوں مجھے گالی نہ دے۔ کیا تو سیدھی طرح بات نہیں کر سکتی؟"

"کیا تو سیدھی طرح تھانے آ گیا تھا؟ میں نے مصلح الدین کے ذریعے دھمکی دی تھی کہ شیدے کی ضمانت نہیں دے گا تو میں تیری پارسائی کا پول کھول دوں گی۔ محلے والوں سے کہوں گی کہ وہ تیرے جوان بیٹے کا معائنہ کرائیں اور اس حقیقت کو سمجھیں کہ بیلا رانی اور شادی کی گود میں ایک بچہ کہاں سے آیا ہے؟"

میرے منہ پر پھر ایک بار طمانچہ پڑا۔ بیلا رانی کے ساتھ میری ـــ بہن کا نام آ رہا تھا۔ میں نے ایک جھٹکے سے ٹیکسی روک دی۔ پھر اپنا سر اسٹیئرنگ پر ٹیک دیا کیونکہ میرا سر جھکا ہوا تھا۔ جو بھی الٹے سیدھے رشتے قائم ہو چکے تھے، میں انہیں کہاں تک جھٹلا سکتا تھا۔ میں ایک عزت دار بدمعاش کا سالا کہلانے سے انکار کر سکتا تھا لیکن بیلا رانی اس سچائی سے انکار نہیں کرنا چاہتی تھی کہ اس کی بیٹی اور میری بہن کا بیٹا آپس میں سوتیلے بہن بھائی ہیں اور ایک ہی نعیم احمد کی اولاد ہیں۔

نعیم احمد نے ہم دونوں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر التجا کی۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

"خدا کے لئے مجھے جانے دو۔ میں یہاں سے رکشے میں چلا جاؤں گا۔ تم دونوں کے ساتھ چھوڑ کر مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس دنیا کا سب سے ذلیل انسان ہوں۔ جو گناہ کر رہا ہوں، اس سے توبہ نہیں کر سکتا۔ توبہ کروں گا تو شیدہ اور اپنے بیٹے سے رشتہ توڑنا ہوگا۔ رشتہ ٹوٹنے کے بعد شیدہ میرے گھر سے نکلے گی تو میں دنیا والوں کو کیا کہوں گا کہ میری بہو کہاں جا رہی ہے؟ کیوں جا رہی ہے؟ کس کا بچہ لیکر جا رہی ہے؟ خدا کے لئے تم دونوں میرا پیچھا چھوڑ دو۔ مجھے بے غیرت بن کر نیک نام جینے دو۔"

میں نے دروازے کی طرف اُسے زور سے دھکا دیتے ہوئے کہا۔

"جا، بھاگ یہاں سے۔ ذلیل کمینے! نہ میری کوئی بہن ہے، نہ تجھ سے میرا کوئی رشتہ ہے تو صرف بیلا رانی کی دھمکی سے گھبرا کر میری ضمانت کے لئے آیا تھا۔ جا اب یہ تجھے دھمکی نہیں دے گی۔"

وہ دروازہ کھول کر جانے لگا تو بیلا رانی نے کہا۔

"دھمکی کیسے نہیں دوں گی؟ شیدے، جب بھی عدالت میں تیری پیشی ہوگی، یہ اُلّو کا پٹھا تیرے ضامن کی حیثیت سے حاضر رہے گا۔ نہیں آئے گا تو اس کی شرافت کی ایسی تیسی کر کے رکھ دوں گی۔"

"میں آؤں گا، تم جب بھی بلاؤ گی، میں چلا آؤں گا۔" اس نے گڑگڑا کر کہا۔ "مگر تو میرے محلے میں نہ آنا۔ خدا کے لئے میری عزت رکھ لینا......"

وہ عزت کی بھیک ان سے مانگتا رہا جو بے عزت تھے۔ میں نے ایک جھٹکے سے گاڑی اسٹارٹ کی اور اسے پیچھے چھوڑتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ بیلا رانی نے کہا۔

"شیدے! اتنی زندگی گزارنے کے بعد سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے زندگی گزاریں؟ کس سے محبت کریں اور کس سے نفرت کریں؟ کس کی عزت کریں اور کس کی بے عزتی کریں؟ میں نے جھنجلا کر نعیم احمد کی جو بے عزتی کی ہے، اس میں کھوکھلا پن ہے کیونکہ میں بالواسطہ اس کی عزت

کرتی ہوں یعنی اس کی دی ہوئی بیٹی جو میرے پاس ہے میں اس بیٹی سے محبت کرتی ہوں۔ میں اس کے شریف خون کو بازار میں نہیں لا سکتی۔ وہ میری بھی بیٹی ہے میں اسے عزت آبرو سے دلہن بنا کر رخصت کرنا چاہتی ہوں۔ سوچا جائے تو میں اس شیطان کی عزت کا بھرم رکھ رہی ہوں۔ سوچا جائے تو تُو بھی سر پر اُٹھائے بہن کی خاطر گالیاں نہیں دے سکتا۔ دنیا والوں کے سامنے اس کی عزت کرنے پر مجبور ہے۔ ہم لوگ جو عزت والے نہیں ہیں اسی طرح دوسروں کو عزت دار بناتے ہیں۔"

عزت کی بات آئی تو مجھے خیال آیا کہ اب وہ بھی عزت کی زندگی گزارنے کی کوشش کر رہی ہے میں نے اس سے پوچھا۔

"کیا سچ مچ تو نے مصلح الدین سے شادی کر لی ہے؟"

"ہاں شادی تو ہو گئی ہے مگر سچ مچ ہو گئی ہے یا نہیں؟ یہ میں یقین سے نہیں کہہ سکتی۔"

"اس بات کا مطلب کیا ہوا؟"

"مطلب یہ ہوا کہ مصلح الدین کے ماں باپ مجھے بہو بنانے کے لئے راضی نہیں تھے اس کا باپ بہت دولتمند ہے پھلوں کا تھوک بیوپاری ہے مصلح الدین مجھ پر جان دیتا ہے جب اس نے ماں باپ کی بات نہیں مانی تو انہوں نے گھر سے نکال دیا۔ وہ میرے عشق میں ثابت قدم نکلا۔ اس نے ہمت نہیں ہاری۔ اس میں یہ حوصلہ اس لئے بھی پیدا ہوا کہ میں نے پرانے دھندے سے توبہ کر لی تھی۔ میں اپنی لڑکی مونا کے ساتھ ایک دو وقت کے فاقے کرتی تھی مگر کام کی تلاش میں گھر سے نہیں نکلتی تھی اگر ایک عورت اپنے مرد کے اعتقاد کے مطابق پچھلے گناہوں سے توبہ کر لے اور آئندہ پارسا اور وفادار بن کر رہے تو مرد پورے خلوص سے، لگن سے اور محنت سے اپنے گھر کو جنت آباد کر لیتا ہے۔ مصلح الدین اپنے گھر سے کچھ پیسے لیکر نکلا تھا۔ اس نے ان پیسوں سے پرانا ٹھیلا خرید لیا ہے اور فٹ پاتھ پر پھل بیچا کرتا ہے ہم نے اورنگی میں ایک کمرے کا مکان کرائے پر لیا ہے اس گھر میں میری بیٹی مونا کی معصوم باتیں ہیں اور میرے محنت کرنے والے مرد کا پیار ہے۔ ہائے شیدے! میں بیان نہیں کر سکتی کہ...... جب وہ دن بھر کی محنت

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کی کمائی لا کر میری ہتھیلی پر رکھتا ہے تو میں اپنی ہی نظر میں کتنی عزت دار بیوی بن جاتی ہوں۔"

"میں نے تجھ سے یہی پوچھا کہ تو اس کی بیوی بن چکی ہے یا نہیں؟"

"ہاں۔ اپنا تو دل سے بن چکی ہوں مگر کسی ایمان والے قاضی نے میرا نکاح نہیں پڑھایا۔ وہ کہتا تھا کہ پہلے اپنے ماں باپ کو یا کسی بزرگ کو ساتھ لاؤ مگر اس کے بزرگ نچلی ذات کی عورت کو اپنی بہو نہیں بنانا چاہتے تھے ہم ایک کے بعد دوسرے اور دوسرے کے بعد تیسرے قاضی اور مولوی کے پاس گئے لیکن سب یہی سمجھتے تھے کہ مصلح الدین مجھے کہیں سے بھگا کر لایا ہے اور چوری چھپے نکاح پڑھانا چاہتا ہے انہوں نے کہا کہ پہلے کورٹ سے اجازت حاصل کریں۔ جب اجازت مل جائے گی تو شرعی طور سے نکاح پڑھایا جائے گا۔

کورٹ میں جانے کے لئے وکیل کی ضرورت تھی اور وکیل کے لئے فیس کی ضرورت تھی۔ ابھی مصلح الدین نے چنا بیچنے کا چھوٹا سا کاروبار شروع کیا تھا۔ اتنے پیسے فاضل نہیں تھے کہ ہم وکیل اور عدالت کے چکر میں پڑتے۔ جب ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آیا تو ہم تھک ہار کر گھر میں آ بیٹھے۔ میں نے مایوسی سے کہا۔

"مصلحے! کیا یہ دنیا نہیں چاہتی ہے کہ میں شریف عورت بنوں؟"

وہ محبت سے بولا۔ "نہیں بیلا! اللہ تعالیٰ جب اپنے نیک بندوں کا امتحان لیتا ہے تو انہیں ایسی ہی آزمائشوں سے گزرنے کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔"

"میں تو بڑی سے بڑی آزمائشوں سے گزر جاؤں گی۔ مجھے اپنی پروا نہیں ہے، تیری فکر ہے۔ تو یہاں ایک ہی کمرے میں مجھ سے ذرا دور سوتا ہے۔ نہیں، سوتا نہیں ہے رات بھر بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہتا ہے۔ مگر نکاح سے پہلے میرے ساتھ سونا گناہ سمجھتا ہے ایسے تو راتوں جاگ جاگ کر بیمار پڑ جائے گا۔ آدمی کو اتنا بھی شریف نہیں ہونا چاہئے کہ کھانے کی پلیٹ سامنے رکھ کر بھوکے پیٹ کروٹیں بدلتا رہے۔"

"مگر بیلا! ایسا کھانا حرام ہوتا ہے۔"

"تو کسی طرح مجھے حلال کر لے......"

وہ مجھے گہری لگن سے دیکھنے اور سوچنے لگا۔ اس کی نگاہوں میں مجھے حلال کرنے کی شدید خواہش تھی۔ اس نے اپنی خواہش سے مجبور ہو کر کہا۔

"تجھے حلال کرنے کی ایک ہی ترکیب ہے کہ میں خود ہی دولہا اور خود ہی قاضی بن جاؤں۔ خداوند کریم ہمارے نکاح کا گواہ ہوگا۔ شرافت کی زندگی گزارنے کے لئے نیک نیتی سے جو کام کرو وہ خدا کو منظور ہوتا ہے۔ بول اس طرح نکاح قبول کرے گی؟"

"ہاں۔ ہزار بار قبول کروں گی۔"

"ہزار بار نہیں صرف تین بار "قبول" کہنا ہوگا۔ چل اب اٹھ کے وضو کر لے۔"

ہم دونوں نے وضو کیا۔ چھوٹے کمرے کی ایک دیوار پر کعبہ کی سمت قبلہ رخ کے طغرے لگے ہوئے ہیں۔ ہم ادھر منہ کر کے بیٹھ گئے۔ مصلح الدین زیادہ پڑھا لکھا آدمی نہیں ہے مگر اسے سورۂ فاتحہ اور چاروں قُل اچھی طرح یاد ہیں۔ انہیں پڑھنے کے بعد اس نے کہا۔

"بی بی زینب الف عرف بیلا رانی! میں مصلح الدین ولد معین الدین تمہیں اپنے نکاح میں بعوض دین مہر ——— ارے ہاں۔ میں تو یہ پوچھنا ہی بھول گیا کہ مہر کی رقم کتنی ہوگی۔ اس وقت میرے پاس صرف بارہ روپے ہیں۔"

میری زبان سے بے اختیار نکل گیا۔ "میرا ریٹ بارہ روپے نہیں ہے۔"

وہ ایکدم سے چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ مجھے فوراً ہی عقل آ گئی کہ نکاح کے وقت ایسا نہیں کہنا چاہئے۔ میں نے ندامت سے کہا۔

"مصلحے! مجھے معاف کر دے۔ پتہ نہیں یہ بات میری زبان پر کیسے آ گئی۔ مجھے مہر کی رقم بارہ روپے منظور ہے۔"

اس نے کہا۔ "لیکن میں نے یہ بارہ روپے کل صبح راشن لانے کے لئے رکھے ہیں۔"

"میں مہر کی اس رقم سے راشن لے آؤں گی۔"

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

"نہیں بیلا! نہ میں عورت کی کمائی کھاتا ہوں اور نہ ہی میں تجھے دی ہوئی مہر کی رقم راشن کے لئے واپس لوں گا۔ شادی سے پہلے دال روٹی کی فکر ضروری ہے۔ یہ پیسے راشن کے لئے بچے رہیں گے۔"

"اگر نقد رقم نہیں ہے تو مہر معجل کی کیا ضرورت ہے جو فوراً ادا کیا جاتا ہے ابھی مہر مؤجل ہونا چاہیئے یعنی جب میں مطالبہ کروں گی تو مجھے وہ رقم ادا کر دینا۔"

"اوں ہوں نہ۔ میں شادی کی پہلی ہی رات عورت کے پیسے اپنے ذمے رکھنا نہیں چاہتا شرع محمدی کے مطابق انسان کی حیثیت دیکھ کر مہر کی رقم مقرر کی جاتی ہے اس وقت میری حیثیت نقد رقم کی صورت میں نہیں بلکہ مال کی صورت میں یہ پھل وغیرہ ہیں۔ ان میں سے کچھ پھل میں تیرے مہر کے لئے مخصوص کر دوں گا پھر تیرے حصے کے پھل جیسے جیسے فروخت ہوتے رہیں گے، میں ان کے پیسے لا کر تجھے دیتا رہوں گا۔"

میں نے یہ بات منظور کر لی۔ پھر اس نے نکاح پڑھاتے ہوئے کہا۔

"بی بی زیب النساء عرف بیلا رانی! کیا تم مصلح الدین ولد معین الدین کو اپنے نکاح میں بعوض ایک درجن مالٹے، ایک سیر سیب اور دو درجن کیلے بطور مہر معجل قبول کرتی ہو؟ کہو میں نے قبول کیا ......"

میں نے تین بار قبول کیا۔ اس نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے وہاں سے اٹھایا اور اپنے بستر پر لا کر بٹھا دیا۔ پھر اس نے اپنی انگلی سے اسٹین لیس اسٹیل کی انگوٹھی نکال کر میری انگلی میں پہنائی۔ اس کے بعد گھونگھٹ اٹھا کر میرا چہرہ دیکھا۔ مجھے پیار کیا اور مجھے اپنے سینے سے لگا لیا۔ اتنی لمبی عمر گزارنے کے بعد پہلی بار ایک سچے مرد نے مجھے زندگی کی سچی مسرتیں دیں خدا کی قسم یہ دنیا اسی لئے خوبصورت ہے کہ ابھی یہاں مصلح الدین جیسے اصلاح کرنے والے اور ذلت کی ماری ہوئی عورتوں کو عزت دینے والے موجود ہیں۔

"شیدے! میں یقین سے نہیں کہہ سکتی کہ دنیا والوں کی نظروں میں ہمارا نکاح ہو چکا

ہے یا نہیں مگر میں مطمئن ہوں کہ اس نکاح کے بعد میں اپنی بیٹی کے ساتھ ایک شریف آدمی کی پناہ میں آگئی ہوں۔"

میں بیلا رانی کی باتوں سے اور مصلح الدین جیسے اصلاحی جذبہ رکھنے والے نوجوان سے بے حد متاثر ہو رہا تھا۔ میں نے کہا۔

"بیلا! تم نے یہ اچھا کیا کہ مصلح الدین سے شادی کر لی۔ اس طرح تم سے زیادہ تیری بیٹی مونا کو تحفظ حاصل ہو گیا ہے۔ جب وہ جوان ہو گی تو مصلح الدین کی سرپرستی میں کوئی اسے غلیظ نظروں سے دیکھ نہیں سکے گا۔"

"میری مونا بہت اچھی ہے بہت خوبصورت ہے ابھی چھ برس کی ہو گئی ہے مجھے اس کی فکر کھائے جا رہی تھی، اب تمام فکروں سے آزاد ہوں۔ میں مر جاؤں گی تب بھی مصلح الدین باپ بن کر کسی شریف گھرانے میں اسے بیاہے گا۔ میری آخری تمنا یہی ہے کہ میری گڑیا رانی کو ایک اچھا گھر اور ایک اچھا شوہر ملے۔ تم اسے دیکھو گے تو اس پر بڑا پیار آئے گا۔ کیا تم میری گڑیا رانی کو دیکھو گے؟"

"ہاں میں اس معصوم کو ضرور دیکھوں گا۔ جس کی حفاظت کے لئے تم نے گناہگار زندگی سے توبہ کر لی ہے اور اس بچی کے اطراف شرافت کی مضبوط دیواریں کھڑی کر رہی ہو۔ اسی لئے تو میں اس بچی کی طرف جا رہا ہوں۔"

بیلا رانی نے حیرت سے کہا۔

"ارے ہاں! مجھے تو باتوں میں یاد ہی نہ رہا کہ تم میرے ہی گھر کی طرف جا رہے ہو میں نے مصلح سے کہہ دیا تھا کہ وہ گھر میں رہے کیونکہ مونا وہاں اکیلی ہے یہ سوچ کر کتنی خوشی ہوتی ہے کہ میری بیٹی کی حفاظت کے لئے اس کا ایک باپ موجود ہے۔"

وہ مجھے اپنے گھر کا راستہ بتانے لگی۔ پانچ منٹ کے بعد میں نے اس کے گھر کے سامنے ٹیکسی روک دی۔ مصلح الدین نے باہر نکل کر ہمیں دیکھا۔ اس نے میری رہائی پر مبارکباد دینے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ہوئے مصافحہ کیا اور گھر کے اندر لے گیا۔ وہ ایک چھوٹے سے کمرے اور چھوٹے سے آنگن کا گھر تھا اس گھر میں چھوٹی چھوٹی ضرورت کی چیزیں تھیں اور جو سب سے بڑی چیز تھی وہ مونا کا پیار تھا وہ معصوم بچی ایک چارپائی پر سو رہی تھی۔ وہ صرف چھ برس کی تھی مگر قد میں ماں کے کاندھے کے برابر ہوتی جا رہی تھی۔ بچے یوں بھی معصوم ہوتے ہیں مگر نیند میں اور بھی معصوم نظر آتے ہیں یہ ان کی زندگی کا وہ دور ہوتا ہے جب ان کے خوابوں میں صرف پریاں اور شہزادے آتے ہیں اس زندگی کا کوئی المیہ ان معصوم خوابوں کو مجروح نہیں کرتا۔ میں تھوڑی دیر کے لئے زندگی کی تمام غلاظتوں سے نکل کر ایک ایسی خوبصورت دنیا میں آگیا تھا جہاں صرف نئی نسل کے ننھے منوں کی معصومیت ہوتی ہے۔

میں وہاں بہت دیر تک بیٹھ کر باتیں کرتا رہا۔ ان کے ساتھ کھانا کھایا۔ پھر چائے پینے کے بعد میں نے جیب سے دس روپے نکال کر خوابیدہ مونا کی مٹھی میں رکھ دیے اور بیلا رانی سے کہا۔

"یہ صرف تم دونوں کی نہیں، میری بھی بیٹی ہے مجھے بتاؤ کہ یہ کس اسکول میں پڑھنے جاتی ہے کل سے میں روز صبح یہاں آیا کروں گا اور اسے اپنی گاڑی میں بٹھا کر اسکول پہنچایا کروں گا۔ یہ اسکول کے نئے کپڑے پہنے گی، اس کے نئے بستے میں نئی کتابیں ہوں گی اور ہم تینوں مل کر اسے ایک نئی اور صاف ستھری زندگی کا درس دیا کریں گے۔"

بیلا رانی کے آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ آنسوؤں کی جھلملاہٹ میں اپنی بیٹی کے روشن مستقبل کو دیکھ رہی تھی اور اس کے مستقبل تک جو راستہ گیا تھا، اس راستے کو آنسوؤں سے دھو رہی تھی۔

*

کبھی کبھی میری ٹیکسی سیاست کا اکھاڑہ بن جاتی ہے۔ ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہنگامے ہو رہے تھے جلسے جلوسوں کی ہنگامہ آرائیاں کاروبار زندگی کو معطل کر رہی تھیں۔ شاہراہیں اور گلی کوچوں کے نقشے بدل گئے تھے جہاں زندگی کی رونق تھی وہاں اسی زندگی

کو ختم کرنے کے لئے گولیاں چلائی جا رہی تھیں۔ تیس برسوں میں کتنے ہی بار انقلاب لانے اور عوام کی حالت بہتر بنانے کا فریب دیا گیا ہر فریب کے ساتھ ساتھ گولیاں بھی چلائی گئیں اب پھر نئے انقلاب کے لئے چراغ روشن کئے جا رہے تھے اور یہ چراغ غریبوں کے لہو سے روشن ہو رہے تھے کیونکہ سڑکوں پر وہی مارے جا رہے تھے اور کرفیو کے اوقات میں آمدنی اور راشن کے بغیر وہی بھوکے مر رہے تھے جنہیں کھانے کے لئے کچھ مل جاتا تھا، وہ اپنے گھروں میں تاش کی بازیاں جما رہے تھے جنہیں کچھ نہیں مل رہا تھا وہ چوریاں کر رہے تھے جنہیں چوریوں سے دولت حاصل ہو رہی تھی وہ کرفیو کے سنہری مواقع کو اور طول دینے کے لئے سڑکوں پر ہنگامے کر رہے تھے دیانت داری سے انقلاب لانے والے کم تھے اور کرپشن بڑھانے والے زیادہ تھے۔ یہ بات لوگوں کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی کہ انقلاب لانے سے پہلے عوام کے ذہنوں میں تعمیری انقلاب لانے کی ضرورت ہوتی ہے جب تک غریبی اور جہالت رہے گی، اس وقت تک کوئی بھی نظام سچائی سے قائم نہیں ہو سکتا......

میں نے بھی موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنی ٹیکسی کا میٹر خراب کر دیا تھا کیونکہ ان دنوں لوگ حواس باختہ تھے ہنگامے کے دوران ادھر سے ادھر بھاگ رہے تھے اور مجھے منہ مانگا کرایہ دیتے تھے۔ میری ٹیکسی میں دونوں طرف کے سیاسی کارکن وقتاً فوقتاً آکر بیٹھتے تھے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے تھے اور تمام راستے میں تقریر کرنے کے انداز میں گفتگو کرتے تھے پھر آپس میں بحث کرنے کے دوران مجھ سے بھی پوچھتے تھے کہ میں کس پارٹی کے ساتھ ہوں میں ایک ناخدا ہوں جو سواریوں کو ٹیکسی کے سمندر سے گزار کر ساحل پر پہنچاتا ہے میں کرائے کے سلسلے میں تھوڑی سی بے ایمانی کرتا ہوں مگر انہیں منجدھار میں کبھی ڈبوتا نہیں ہوں اپنے ہی جیسی کسی پارٹی کے ساتھ تھا جو میری طرح تھوڑی سی بے ایمان ہو لیکن اتنی ایماندار ہو کہ عوام کے جان و مال کے ساتھ انہیں بخیریت ساحل پر پہنچا دیا کرے۔

اگر میں پچھلی سیٹ پر بیٹھنے والوں سے یہ بات کہتا تو وہ میری پشت میں چھرا گھونپ

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

دیتے۔ وہ صرف یہ سننا چاہتے تھے ان کے سامنے آنے والا ہر شخص ان کی پارٹی کا ساتھ دینے والا ہے اپنی ٹیکسی کو سلامت رکھنے کے لئے اور اپنے جسم کو توڑ پھوڑ سے بچانے کے لئے جو پارٹی سوالی بن کر میرے سامنے آتی تھی میں اسی کا ساتھ دینے کا وعدہ کرتا تھا موقع محل کی مناسبت سے کامیاب لیڈروں کے وعدوں کی طرح میرے وعدے بھی بدلتے جاتے تھے اتنی سیاست کے باوجود مجھے نقصان اٹھانا پڑا۔ ایک دن میری ٹیکسی ان ہنگاموں کی نذر ہو گئی۔ دو سیاسی پارٹیوں کے ٹکراؤ کے درمیان میری ٹیکسی آ گئی تھی۔ میں نے وہاں سے ٹیکسی نکال لیجانے کی بہت کوشش کی مگر میں خود پتھراؤ کی زد میں آ گیا۔ مجھے مجبوراً ٹیکسی سے نکل کر بھاگنا پڑا۔ اتنے میں پولیس کی طرف سے لاٹھی چارج شروع ہو گیا۔ لوگوں کو دھمکانے کے لئے ہوائی فائر بھی کئے گئے فائرنگ کی وجہ سے بھگدڑ مچ گئی تھوڑی دیر بعد جب میدان صاف ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایک جلتی ہوئی دکان کے سامنے میری ٹیکسی بھی جل رہی تھی۔

ہم ان ہنگاموں میں کس طرح لٹ جاتے ہیں یہ میرے لٹنے کا منظر دیکھ کر سمجھ میں آ سکتا ہے کہ میں نے دس برس پہلے وہ ٹیکسی قسطوں پر لی تھی پورے آٹھ برس تک میں اس کی قسطیں بھرتا رہا قسطیں ادا کرتے کرتے وہ نئی ٹیکسی کھٹارہ بن گئی تھی وہ بیمار پڑتی تھی میں اس کا علاج کرتا تھا۔ وہ میلی ہو جاتی تھی میں اسے نہلاتا تھا وہ روٹھ جاتی تھی میں کارخانے میں لے جا کر اسے مناتا تھا جو کماتا تھا اس پر خرچ کرتا تھا۔ ایک نخریلی بیوی کی طرح وہ روٹھنے کی ادائیں دکھا دکھا کر میری جیب سے پیسے نکال لیا کرتی تھی وہ جیسی بھی تھی، میری تھی مگر اب میری نہیں رہی تھی میرے سامنے اس کی جلی ہوئی لاش پڑی تھی۔

میں نے اس کے قریب جا کر دیکھا وہ باہر سے اور اندر سے اس قدر جل گئی تھی کہ اب وہ مرمت کے قابل نہیں رہی تھی۔ اسے مرمت کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسے نئے سرے سے ایک نئی ٹیکسی بنانی پڑتی۔ یعنی اسے دوبارہ سڑک پر لانے کے لئے کم از کم دس پندرہ ہزار روپے کی ضرورت تھی میں وہاں سے سر جھکا کر ایک کباڑیئے کے پاس پہنچا۔ کباڑیئے سے اس کا

سودا کرتے وقت میرا دل رو رہا تھا۔

کباڑیئے نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اس آہنی ڈھانچے کی قیمت اتنی کم ادا کی کہ میں نے اسے بیچنا مناسب نہیں سمجھا دو گھنٹے کے بعد جب میں اس ٹیکسی کی طرف واپس آیا تو اتنی دیر میں وہ آدھی رہ گئی تھی جو کل پرزے کام کے رہ گئے تھے لوگ انہیں کھول کر لے گئے تھے اب وہ ایک بوڑھی طوائف کی طرح اتنی کھوکھلی ہو گئی تھی کہ کوئی اس پر نظر ڈالنا بھی گوارہ نہیں کر سکتا تھا۔ اسے فروخت کرنا تو دور کی بات تھی میں نے جھنجھلا کر اسے ایک لات ماری اور اسے سڑک پر چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔

میں بہت دیر تک ادھر ادھر بھٹکتا رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کہاں جاؤں؟ کیا کروں؟ میں شر پسندوں سے پوچھنا چاہتا تھا کہ وہ میری ٹیکسی کو جلا کر اور میرے منہ سے دو روٹیاں چھین کر کونسا انقلاب لانا چاہتے ہیں یہ وقت اور یہ ہنگامے گزر جائیں گے کوئی نہ کوئی پارٹی اقتدار سنبھال لے گی مگر امن و امان کے بعد کسی کی سمجھ میں یہ نہیں آئے گا کہ غریب اور غریب ہو گئے ہیں اور بدکاری، بے حیائی اور کرپشن اور زیادہ بڑھ گیا ہے۔

میں بھٹکتا ہوا بیلا رانی کے دروازے پر پہنچ گیا۔ ان دنوں ہر گھر کے دروازے پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اس دروازے پر بھی موت کی سی خاموشی تھی۔ اب پہلے میری گاڑی کی آواز سن کر منا دوڑتی ہوئی دروازے پر آ جاتی تھی کبھی میرا ہاتھ پکڑ کر گھر میں لے جاتی تھی کبھی اسکول کی کتابیں اٹھائے میرے پاس ٹیکسی میں آ کر بیٹھ جاتی تھی۔ جب سے وہ بھی میری ٹیکسی میں بیٹھنے لگی تھی تب سے میں نے فٹ پاتھ کی لڑکیوں کو پچھلی سیٹ پر بٹھانا چھوڑ دیا تھا مسلسل دو برس تک میں نے کسی بکاؤ عورت کا چہرہ نہیں دیکھا صرف اس معصوم بچی کا چہرہ اگلی سیٹ پر دیکھتا رہا جو میرے [illegible] صلاح الدین اور بیلا رانی کی بیٹی تھی۔ ہم تینوں اس معصوم بچی کی حفاظت کر رہے تھے اور وہ بچی ہم میں ایک صاف ستھری زندگی گزارنے کا جذبہ پیدا کر رہی تھی۔

اس روز منا دروازے پر نہیں آئی کیونکہ اس نے دروازے پر گاڑی کی آواز نہیں سنی تھی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

وہ بھیک، روزی کا ذریعہ سہی، ایک معصوم بچی کو اپنی طرف بلانے کا چلتا پھرتا کھلونا تھی مجھ سے میری ٹیکسی اور مونا سے اس کا کھلونا چھن گیا تھا۔ میں دروازہ کھول کر اندر چلا آیا۔ شام کا وقت تھا کمرے میں مدھم مدھم سی تاریکی پھیل رہی تھی ایک چارپائی پر مصلح الدین لیٹا ہوا تھا اسی چارپائی کے سرے پر مونا سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ دروازے پر آہٹ ہوئی تو اس نے پلٹ کر دیکھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ دوڑتی ہوئی اور روتی ہوئی آکر مجھ سے لپٹ گئی۔ پھر رونے کے درمیان سسکیاں لے کر کہنے لگی

" چاچا جی! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ امی صبح سے گئی ہیں ابھی تک نہیں آئیں ابو چپ چاپ پڑے ہیں کچھ بولتے نہیں ہیں پڑوس کی ماسی کہہ رہی تھی کہ شہر میں بہت سے لوگ مر رہے ہیں ابھی اس اندھیرے میں مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے بہت سے لوگ مجھے بھی مارنے کے لئے آ رہے ہیں۔ چاچا جی اب مجھے چھوڑ کر نہ جائیں امی بہت خراب ہیں مجھے چھوڑ کر چلی جاتی ہیں "

اب وہ اونچائی میں میرے کاندھے تک پہنچ گئی تھی مگر ہمارے لاڈ پیار نے اسے دنیا والوں سے بہت دور ایک معصوم اور بھولی بھالی گڑیا بنا کر رکھا تھا۔ وہ یا تو گھر کی چار دیواری میں رہتی تھی یا میری ٹیکسی میں بیٹھ کر اسکول آتی جاتی تھی۔ اس کے آگے جو دنیا ہے اس نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ میں بڑے پیار سے اس کے سر کو سہلاتا ہوا اور پیٹھ کو تھپکتا ہوا تسلیاں دیتا رہا۔ پھر میں مصلح الدین کے قریب آیا وہ اپنے بستر پر ایک لاش کی طرح پڑا ہوا تھا۔ اس نے صرف دیدے گھما کر مجھے دیکھا اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ آئی۔ میں نے خیریت پوچھی تو وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔ مونا نے کہا۔

" ابو بہت بیمار ہیں، باتیں نہیں کر سکتے ہیں "

" کب سے بیمار ہیں؟ "

" جب سے یہ شہر لوٹ لیا گیا ہے۔ باہر لوگ لوٹتے بھی ہیں اور مارتے بھی ہیں "

وہ نہیں جانتی تھی کہ اس گھر کے باہر والی دنیا میں کیا ہو رہا ہے اس لئے وہ تفصیل سے مجھے کچھ بتا نہیں سکی۔ میں نے پوچھا۔

" تم نے کیا کھایا ہے؟ "

" چاچا جی کھانے کے لئے کچھ نہیں ہے ابو تو دو مہینے سے بیمار ہیں ابھی کمانے کے لئے نہیں جاتے ہیں، کبھی ہم بھوکے رہتے ہیں۔ جیسے امی کہہ گئی تھیں کہ وہ آپ کے پاس جا رہی ہیں آپ سے کچھ پیسے لے کر آئیں گی۔ آپ تو آ گئے مگر وہ ابھی تک نہیں آئیں "

میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

" فکر نہ کرو بیٹے میں ابھی تمہارے لئے کھانا اور ابو کے لئے دودھ لے کر آتا ہوں تم لالٹین روشن کرو اندھیرا ہو رہا ہے "

یہ کہہ کر میں نے دودھ لانے کے لئے برتن لیا اور گھر سے باہر چلا گیا تھوڑی دیر بعد، کباب، روٹیاں اور دودھ لے کر واپس آیا تو بیلا باہر نظر آئی۔ وہ آگے آگے جا رہی تھی اور میں پیچھے تھا میں اسے آواز دینا چاہتا تھا۔ اسی وقت وہ اپنے گھر کے دروازے میں داخل ہو گئی جب میں دروازے کے قریب پہنچا تو اندر سے اس کی آواز سنائی دی۔ وہ مونا سے کہہ رہی تھی

" بیٹی تمہارے چاچا جی ملے تھے۔ انہوں نے مجھے ڈھیر سارے پیسے دیے ہیں۔ دیکھو میں تمہارے لئے کتنی چیزیں لے کر آئی ہوں "

اس کی باتیں سنتے ہی میں دروازے کے باہر ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا وہ جھوٹ کہہ رہی تھی کہ مجھ سے ملاقات ہو چکی ہے اور جو پیسے اس کے پاس تھے وہ میں نے نہیں دیے تھے پھر وہ کہاں سے لائی تھی ____؟ مونا کی آواز سنائی دی۔

" امی کتنی ساری چیزیں ہیں۔ چاچا جی بھی میرے لئے کھانا اور ابو کے لئے دودھ لینے گئے ہیں "

" آں! " اس کی گھبرائی ہوئی سی آواز سنائی دی " کیا شیدے یہاں آیا ہے؟ "

میں کمرے کے اندر آگیا۔ بیلا ایک دم سے گھبرا کر کبھی مجھے اور کبھی مصلح الدین کو دیکھنے لگی مصلح الدین کی زبان بند تھی مگر کان کھلے تھے وہ سب کچھ سن چکا تھا اور بہت کچھ سمجھ چکا تھا۔ اس کے ساکت

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

جسم پر اچانک جیل سی رینگ گئی تھی وہ چت لیٹے لیٹے ہی تھر تھر کانپ رہا تھا بیماری اور نقاہت
کے باوجود اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ آنکھیں اپنے حلقوں سے باہر ابلتی نظر آ رہی
تھیں پھر ایک جھٹکے سے اس نے سر جھکا کر خون کی قے کر دی۔ بیلا رانی چیختی ہوئی اس سے لپٹ گئی

"نہیں مصلے! تم مجھے غلط نہ سمجھو۔ میں حرام کے پیسے نہیں لائی ہوں۔ میں نے یہ
پیسے شیدے سے ادھار مانگے ہیں۔ شیدے، تم خاموش کیوں کھڑے ہو؟"

وہ مصلح الدین کے پاس سے دوڑتی ہوئی میرے پاس آئی اور مجھے جھنجھوڑتی ہوئی کہنے لگی۔

"شیدے خاموش نہ رہو۔ اسے بتاؤ کہ یہ پیسے تم نے دیے ہیں۔ تم نہیں بولو گے تو
میری دنیا لٹ جائے گی۔ یہ کئی بار خون کی قے کر چکا ہے۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اس کا مکمل علاج
نہیں ہوگا تو یہ ــــ یہ ......"

وہ میرے پاس سے دوڑتی ہوئی پھر مصلح الدین کے پاس گئی اور اس سے لپٹ
کر بلکنے لگی۔

"نہیں! میں تمہیں مرنے نہیں دوں گی۔ دیکھو میں تمہارے لیے کتنی دوائیں لے کر آئی
ہوں۔ یہ تمہارے مزدوری کے پیسے ہیں مصلے۔ میری مزدوری کی لاج رکھ لو۔ میری مونا کے لیے اچھے ہو جاؤ۔"

ساری باتیں میری سمجھ میں آ گئی تھیں۔ میں مصلح الدین کے قریب جا کر اسے سمجھانے
لگا کہ بیلا رانی سچ کہہ رہی ہے اس کی دوائیں میرے پیسوں سے آئی ہیں۔ مونا اپنے باپ کے چہرے
گردن اور تکیے پر گرے ہوئے خون کو پونچھ رہی تھی مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ میرا جھوٹ
اس کے آگے سچ نہ بن سکا۔ اس نے پھر قے کر دی۔ بیلا رانی تڑپ کر اٹھ گئی۔ پھر چیخ کر بولی۔

"شیدے! جلدی سے ڈاکٹر کو بلاؤ۔ دیکھو ظالموں نے میرے مصلے کا کیا حال بنا دیا ہے؟"

میں جلدی سے پلٹ کر ڈاکٹر کو بلانے کے لیے گھر سے باہر آ گیا۔ میرے
پیچھے بیلا رانی بھی آ گئی۔ میں نے اس سے کہا۔

"تم مصلح الدین کو چھوڑ کر نہ آؤ۔ میں ابھی ڈاکٹر کو لے کر آتا ہوں۔"

وہ میرے ساتھ چلتی ہوئی بولی۔

"ابھی میں اس کے سامنے رہوں گی تو مجھے دیکھ کر اسے اور تکلیف پہنچے گی۔"

"بیلا! میں پچھلے ایک ماہ سے یہاں نہیں آ سکا۔ میں بھی شرپسندوں کی لپیٹ میں آ گیا تھا
اور جیل میں ٹھونس دیا گیا تھا۔ پرسوں رہا ہو کر باہر آیا تو سوچا کچھ کمائی کروں پھر مونا کے لیے
کچھ چیزیں خرید کر لے جاؤں گا۔ مگر آج میری آنکھیں جو کھلی ہیں آسمان کا جو واحد فرشتہ تھا وہ
ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے۔"

"شیدے! ان سیاسی ہنگاموں نے ہمیں برباد کر دیا ہے۔ مصلح الدین کا شعرہ لوٹ لیا گیا
پھر اسے توڑ کر اس کی لکڑیوں کو لوگوں نے مارپیٹ کے لیے ہتھیار بنا لیے۔ اس نے اپنی آخری
پونجی کو بچانے کی انتہائی کوششیں کیں۔ اسی دوران قانون کے محافظ آ گئے۔ کسی کی پیشانی پر
یہ نہیں لکھا ہے کون ظالم ہے اور کون مظلوم؟ قانون کے محافظ سبھی کو ایک لاٹھی سے ہانکنے
لگے۔ انہوں نے رائفل کے کندے سے مصلح الدین کے سینے پر کئی ضربیں لگائیں۔ تب سے وہ
خون کی قے کر رہا ہے دواؤں سے افاقہ ہوتا ہے مگر کچھ دنوں کے بعد پھر خون تھوکنے لگتا
ہے اس کے دل کے پاس کوئی رگ پھٹ گئی ہے اگر توجہ سے علاج نہ ہو سکا تو وہ خون تھوکتے
تھوکتے مر جائے گا۔"

یہ کہہ کر وہ رونے لگی اور اپنے آنچل سے آنسو پونچھنے لگی۔

"وہ بہت خوددار ہے شیدے۔ کہتا ہے بھوکی مر جاؤ۔ مجھے دواؤں کے بغیر مار ڈالو
مگر فٹ پاتھ پر نہ جاؤ۔ حرام کا ایک پیسہ بھی لاؤ گی تو میں مر جاؤں گا۔ میں نے کام کرنے کی بہت
کوشش کی مگر کام کہاں ملتا ہے۔ کارخانے بند پڑے ہیں۔ دو چار دن کے لیے کھلتے ہیں تو وہاں
نئی کام والیوں کے لیے گنجائش نہیں نکلتی۔ کسی گھر میں ہانڈی برتن دھونے کا کام بھی نہ مل سکا
پچھلے دنوں میں نے پانی پی کر اور مونا کو ایک وقت کھلا کر دن کاٹے ہیں۔ میں بھوکی رہ سکتی
ہوں اور مصلح الدین کی خودداری کو قائم رکھنے کے لیے مر بھی سکتی ہوں مگر ایک معصوم بچی کو مرتے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

لیے دیکھ سکتی ہوں۔ اپنے مجازی خدا کو دواؤں کے بغیر کس طرح مرتے دیکھ سکتی ہوں۔
دوائیں بند ہو جاتی ہیں تو خون جاری ہو جاتا ہے۔ میں بہت مجبور ہو گئی تھی شیبے۔ میں بہت مجبور
ہو گئی تھی اس نے پھر فٹ پاتھ پر چلی گئی۔ پچھلے دو دن سے میں نے یہ بات مصلح سے چھپا رکھی
ہے میں نے سوچا اگر میں دھوکہ دے کر ایک شریف آدمی کو زندہ رکھ سکتی ہوں تو اس کی شرافت
کو زندہ رکھنے کے لیے مجھے ذلالت پر اتر آنا چاہیے۔ ہاں میں ذلیل ہوں جب وہ اچھا ہو جائے
گا تو میں اپنے پاپ پر تھوکوں گی مگر ابھی اسے خون تھوکتے نہیں دیکھ سکتی۔"

وہ کہتے کہتے اس طرح ہانپنے لگی جیسے صدیوں کی مسافت طے کر کے آ رہی ہو پھر وہ
ذرا دم لے کر بولی۔

"میں مصلح کے اعتماد کو قائم رکھنے کے لیے رات کو گھر سے نہیں نکل سکتی تھی اس لیے دن کو
فٹ پاتھ پر آتی تھی۔ میں نے سوچا ہنگاموں میں لوٹ مار کے دوران کوئی مجھے بھی لوٹ کر لے جائے گا
تو کم از کم بیس پچیس روپے میری ہتھیلی پر رکھ دے گا مگر لوٹ مار کے وقت جہاں نئے کپڑوں کے
تھان، ریڈیو اور ٹی وی سیٹ ہاتھ آتے ہیں وہاں پرانی مشین کو اٹھا کر کون لے جاتا ہے؟"

اس کی باتیں سن کر میں نے اس پر نظر ڈالی تو وہ واقعی کھنڈر نظر آئی۔ وہ بالکل میری
اس ٹیکسی کی طرح تھی جس کے اندر سے لوگ اپنے کام کے کل پرزے نکال کر لے جا چکے تھے اور
پچکے ہوئے ڈھانچے کو چھوڑ دیا تھا۔

جس ڈاکٹر سے وہ مصلح الدین کا علاج کرا رہی تھی وہ نہیں ملا۔ ہم دوسرے ڈاکٹر
کو لے کر گئے۔ اس نے مصلح الدین کو دیکھتے ہی کہا۔

"اس کی حالت بہت نازک ہے اسے دونوں وقت انجکشن لگانے ہوں گے میں جو
جو دوائیں لکھ کر دے رہا ہوں انہیں فوراً لے کر آؤ۔"

بیلا نے اپنی لائی ہوئی دوائیں اسے دکھائیں ایک ڈاکٹر دوسرے ڈاکٹر کے علاج
اور اس کی تجویز کردہ دواؤں سے متفق نہیں ہوتا۔ اس نے ڈھیر ساری دواؤں میں سے

صرف ایک دوا کو کارآمد بتایا۔ باقی دواؤں کا نسخہ خود لکھ کر دیا۔ اپنی فیس اور انجکشن کے
پندرہ روپے لیے اور تسلی دے کر چلا گیا۔

مصلح الدین آنکھیں بند کیے چپ چاپ لیٹا ہوا تھا۔ بیلا نے مجھے ایک طرف
لے جا کر کہا۔

"میں جو پیسے لائی تھی وہ دواؤں میں ختم ہو گئے۔ اگر وہ دکاندار یہ دوائیں واپس
لے کر نئی دوائیں دے دے گا تو میرا خیال ہے پیسوں کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

میں نے اپنی جیبیں ٹٹول کر پیسے نکالے۔ میرے پاس اٹھائیس روپے تھے میں نے وہ
روپے اسے دیتے ہوئے کہا۔

"مونا یہاں اکیلی گھبرائے گی۔ میں یہاں رہتا ہوں تم یہ پیسے لے جاؤ۔ اگر دوائیں
واپس نہ ہو سکیں تو نئی دوائیں خرید کر لے آنا۔"

وہ پیسے لے کر چلی گئی۔ میں نے مونا کے پاس آ کر اسے پیار سے پچکارتے ہوئے کہا۔
"او چھوٹی تم کھانا کھا لو۔ تمہاری امی دوائیں لینے گئی ہیں۔ اب تمہارے ابو اچھے
ہو جائیں گے۔"

وہ باپ کے پاس سے اٹھ کر چٹائی پر آ کر بیٹھ گئی۔ میں نے اس کے سامنے کھانے کی چیزیں
رکھ دیں پھر اس کے پاس بیٹھ کر پہلا لقمہ اپنے ہاتھ سے کھلایا۔ اس کے بعد وہ اپنے ہاتھ
سے لقمے اٹھا کر آہستہ آہستہ کھانے لگی۔ میں لالٹین کی روشنی میں اسے خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔
میں نے شادی نہیں کی۔ میری کوئی اولاد نہیں ہے مگر وہ مجھے اپنے ہی جگر کا ٹکڑا نظر آ رہی
تھی بچے کھاتے وقت بھی کتنے معصوم اور پیارے لگتے ہیں کتنے آزاد نظر آتے ہیں اس کی بے
فکری نے مجھے دنیا جہاں کی فکروں میں مبتلا کر دیا۔ ٹیکسی نہیں تھی۔ روزگار نہیں تھا مصلح الدین بیمار
تھا اور میں بیکار تھا مگر زندگی کی ضرورتیں چیخ رہی تھیں ابھی مزید دواؤں اور انجکشنوں کے لیے
روپوں اور کپڑوں کے لیے، مونا کی تعلیم کے لیے اور اس کی معصوم ہنسی کو دائم اور قائم رکھنے کے لیے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

صبح و شام پیسوں کی ضرورت تھی پیسے کہاں سے آئیں گے ؟ اس گھر میں ایسی کوئی چیز نہیں تھی جسے فروخت کر کے کچھ دنوں کے لئے زندگی کو بہلایا جا سکتا تھا۔ میں ٹیکسی سے بچھوٹ کر پیدل ہو گیا تھا اور ہم سب پیدل کتنی دور تک چل سکتے تھے ؟

مصلح الدین اچانک کھانسنے لگا۔ میں دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا اور اس کے سینے کو سہلانے لگا۔ کھانسی کے دوران پھر اس کی آنکھیں اپنے حلقوں سے اُبل رہی تھیں وہ دہشت زدہ نظروں سے اس اندھیری دنیا کو دیکھ رہا تھا شاید اس اندھیرے میں وہ بیلا رانی کو تلاش کر رہا تھا اور انکار میں سر ہلاتے ہوئے رات کی رانی کو اندھیرے میں بھٹکنے سے روک رہا تھا اس کے سر پھٹنے کا اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ خود دار ہے۔ بے حیائی کا ایک پیسہ قبول نہیں کرے گا۔

وہ زبان سے کچھ نہ کہہ سکا۔ اس نے کھانستے کھانستے پھر خون کی قے کی اور ایک دم سے ساکت ہو گیا۔ میں نے گھبرا کر اس کی نبض دیکھی۔ کان لگا کر اس کے دل کی دھڑکنوں کو سننے کی کوشش کی مگر کچھ سنائی نہ دیا۔ بیلا رانی کے لئے دھڑکنے والا دل ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا تھا پتہ نہیں مونا نے باپ کے چہرے کو کیسے پڑھ لیا۔ وہ کھانا چھوڑ کر دوڑتی ہوئی آئی۔

"چاچا جی! کیا ہو گیا ابو کو ؟ ابو پھر خاموش ہو گئے ؟"

وہ باپ کے بہتے ہوئے لہو کو پونچھنے لگی اور اسے آوازیں دینے لگی۔ جب میں نے اسے بتایا کہ وہ اس کی آوازوں سے بہت دور چلا گیا ہے تو وہ باپ کے چہرے کو اپنے سینے سے لگا کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ اسی وقت بیلا رانی کمرے میں داخل ہوئی میری آنکھیں خشک تھیں کیونکہ یہ پتھریلی آنکھیں رونا نہیں جانتیں مگر بیٹی کو ماتم کرتے دیکھ کر اس کے ہاتھوں سے دوائیں چھوٹ گئیں۔ میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر سر کو جھکا لیا۔ وہ دوڑتی ہوئی آ کر مصلح الدین کی لاش پر گر پڑی۔

کمرے کی محدود فضا ماں اور بیٹی کی آہ و بکا سے گونج رہی تھی۔ محلے کے پڑوسی والے تھوڑی دیر میں آنے لگے۔ عورتوں نے آ کر افسوس کا اظہار کیا، صبر کی تلقین کی، پھر واپس

چلی گئیں کیونکہ بارہ بجے سے کرفیو لگنے والا تھا۔ سبھی کو کل شام تک کے لئے روٹی کی فکر تھی۔ کچھ لوگ محلے کے دو آدمیوں کی لاشیں لے کر آئے تھے۔ جو بلوے میں مارے گئے تھے ان کے کفن دفن کے لئے چندہ لیا جا رہا تھا۔ مجھے بھی خیال آیا کہ پاس میں پھوٹی کوڑی نہیں ہے اور مصلح الدین کی تجہیز و تکفین کا مسئلہ درپیش ہے میں نے بیلا رانی کو دیکھا اسے روتے اور بین کرتے وقت کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ وہ ہوش و حواس میں رہتی، تب بھی اس کے پلے سے کچھ نہ نکلتا کیونکہ اس کے پاس کچھ ہوتا تو وہ دواؤں کے لئے مجھ سے پیسے لے کر نہ جاتی۔

میں پریشان ہو کر سوچنے لگا۔ دُور دُور تک خیالی دوڑ لگائی کہ کسی جان پہچان والے سے کچھ رقم قرض مل سکتی ہے یا نہیں ؟ مگر ایسے وقت کوئی مہربان نظر نہ آیا۔ میں گھبرا کر مکان سے باہر آ گیا۔ باہر آتے ہی یاد آیا کہ ابھی میری ٹیکسی کا ڈھانچہ راستے میں پڑا ہوگا۔ میں اسے اونے پونے فروخت کر کے مصلح الدین کے لئے کفن خرید سکتا تھا۔

اب میری جیب میں اتنے پیسے نہیں تھے کہ میں رکشے میں بیٹھ کر وہاں تک جا سکتا۔ مجبوراً بس میں بیٹھ کر جانا پڑا لیکن وہاں پہنچا تو ٹیکسی کا ڈھانچہ غائب ہو چکا تھا۔ وہ کہاں گیا ؟ اس کا جواب دینے والا کوئی نہ تھا کیونکہ اس علاقے میں آٹھ بجے کرفیو لگنے والا تھا اور اب آٹھ بجنے ہی والے تھے۔ تمام دکانیں بند ہو چکی تھیں۔ اکا دکا لوگ جو بھاگے جا رہے تھے وہ نہیں بتا سکتے تھے کہ میری مردہ ٹیکسی کہاں لے جا کر دفن کر دی گئی ہے۔

میں مایوس ہو کر واپس آ گیا۔ اس وقت تک بیلا رانی کو ہوش آ گیا تھا کہ مصلح الدین کو مرنے کے بعد بھی پیسوں کی ضرورت ہے جب تک پیسے نہیں ہوں گے، تجہیز و تکفین کی رسمیں ادا نہیں ہو سکیں گی۔ میں نے اسے بتایا کہ میں اپنی بساط بھر کوشش کر چکا ہوں، کہیں سے پھوٹی کوڑی بھی حاصل نہیں ہوئی۔ اگر تین گھنٹے کے اندر ہم کفن وغیرہ خرید کر نہ لا سکے تو اس کے بعد کرفیو لگ جائے گا۔ کرفیو کے اوقات میں بھی مردے کو دفن کرنے کے لئے خصوصی اجازت مل جاتی ہے لیکن پہلے سے کفن وغیرہ خرید لینا ضروری ہے۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

"اب کیا ہوگا؟" بیلا رانی پریشان ہو کر مصلح الدین کی طرف دیکھنے لگی وہ زندگی کے تمام مسائل سے نجات حاصل کر چکا تھا مگر بیلا رانی کے لیے مسئلہ بن گیا تھا وہ محلے پڑوس والوں سے مدد مانگنے چلی گئی۔ میں بھی باہر نکل کر کچھ کوشش کرنا چاہتا تھا مگر مونا نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

"چاچا! مجھے ڈر لگتا ہے۔ مجھے چھوڑ کر مت جائیے۔"

میں نے اسے سینے سے لگا لیا۔ وہ ایک لاش کے ساتھ تنہا کمرے میں نہیں رہ سکتی تھی۔ بڑی عمر کی عورتیں بھی اپنے سگوں کی لاش کے قریب تنہا بیٹھتے ہوئے ڈرتی ہیں اور مونا کی ابھی عمر ہی کیا تھی۔ وہ تو بچی تھی، زندگی کا تجربہ بس اتنا ہی تھا کہ اس نے پہلی بار اپنے گھر میں ایک انسان کو خون تھوک کر مرتے دیکھا تھا۔

میں اسے چھوڑ کر نہ جا سکا۔ ایک گھنٹے کے بعد بیلا رانی خالی ہاتھ واپس آ گئی اور اپنے آنچل سے آنسو پونچھتی ہوئی کہنے لگی۔

"سب اپنی اپنی پریشانیوں کا رونا روتے ہیں۔ سب یہ کہتے ہیں کہ یہ ہنگامے ختم نہیں ہوں گے اسی لیے ہر ایک کو کل کی فکر ہے۔ ایسے میں کون دو چار روپے کی مدد کرتا ہے؟ اور کیا دو چار روپے میں کہیں کفن آتا ہے؟ ہم کتنے دروازوں پر جا کر کفن کے لیے چندہ مانگ سکتے ہیں۔ یہاں پہلے ہی دو لاشوں کے لیے چندہ اکٹھا کیا جا رہا ہے اور یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ جس شخص نے میرے اور میری بیٹی کے لیے اپنا گھر چھوڑ دیا، اپنے خون کے رشتے توڑ دیے، میری زندگی کا راستہ موڑ دیا، جس نے فٹ پاتھ پر [illegible] لگا کر رکھا اور پولیس والوں سے کبھی مار کھاتا رہا اور کبھی انہیں رشوت دیکر جانے کے لیے آوازیں لگا کر بیچتا رہا۔ اب وہاں سے خون تھوکتا ہوا آکر صرف ایک کفن کا مطالبہ کر رہا ہے۔ زندگی میں کچھ نہیں مانگا۔ مرنے کے بعد مانگ رہا ہے تو کیا میں اسے چندے یا خیرات کا کفن پہناؤں؟"

یہ کہہ کر اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرے کو ڈھانپ لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میں نے کہا۔

"یہ آنسو زندگی میں کچھ نہیں دیتے، کسی کے مرنے کے بعد کیا دیں گے؟ صرف پیسے ہی سب کچھ دیتا ہے۔ اب یہی ایک راستہ رہ گیا ہے کہ ہم مصلح الدین کے والدین تک یہ خبر پہنچا دیں۔"

بیلا رانی نے سر اٹھا کر آنسو بھری آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ کچھ دیر تک سوچتی رہی پھر بڑے کرب سے بولی۔

"ہائے میں اپنے مصلے کے آخری وقت میں کام نہ آ سکی۔ تم ٹھیک کہتے ہو اس کے والدین کو معلوم ہوگا تو اسے عزت سے کفن نصیب ہوگا۔ اس کے ماں باپ یہاں سے چھ فرلانگ دور رہتے ہیں۔ تم میرے ساتھ چلو۔ ہم ایک گھنٹے میں انہیں لے کر یہاں آ جائیں گے۔"

"میں تمہارے ساتھ کیسے جا سکتا ہوں؟ یہاں مونا اکیلی نہیں رہ سکے گی۔"

وہ پریشانی سے مونا کو دیکھ کر بولی "میں بھی تنہا نہیں جا سکتی۔ جگہ جگہ فوج کے سپاہی راستہ روک کر پوچھیں گے کہ میں کس نیت سے اتنی رات کو تنہا گھوم رہی ہوں؟"

وہ تنہا نہیں جا سکتی تھی۔ مونا کو بھی تنہا نہیں چھوڑا جا سکتا تھا وہ پہلے ہی لاش کے پاس سے ہٹ کر میرے پاس آ گئی تھی۔ میں نے کہا۔

"ہم تینوں ساتھ چلیں گے۔ لاش تنہا رہ سکتی ہے ہم دروازے کو باہر سے بند کر دیں گے صرف گھنٹے آدھے گھنٹے کی بات ہے اگر رکشہ مل جائے گا تو جلدی واپس آ جائیں گے کیا تمہارے پاس دواؤں میں سے کچھ پیسے بچے ہیں؟"

"تمہارے اٹھائیس روپے میں سے صرف آٹھ روپے رہ گئے ہیں۔ کیا اتنے میں جانے کا کرایہ ہو جائے گا؟"

"چلو جانے کا کرایہ تو ہو جائے گا، واپسی میں ہم مصلح الدین کے والدین کے ساتھ آ جائیں گے۔"

میں مونا کا ہاتھ تھام کر باہر آ گیا۔ بیلا رانی نے دروازے پر آ کر مصلح الدین کی لاش پر الوداعی نظر ڈالی۔ وہ اسے تنہا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی تھی مگر مجبوری تھی۔ اس نے دروازے کو بند کر کے باہر سے تالا ڈال دیا۔ پھر ہم رکشے کی تلاش میں چل پڑے۔ ابھی سڑکوں پر لوگوں کا

itsurdu.blogspot.com